سلسلہ مشاہیر اسلام

(نمبر ۱)

جُنید بغدادی

یعنی

حضرت ابوالقاسم جُنید رحمہُ اللہ کے سوانح عمری۔ تعلیمات۔ آپ کا تصوف۔ اور آپ کے اقران وتلامذہ

مولفہٗ

مولٰنا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مولف تاریخ سندھ وتاریخ ارض مقدس وغیرہما

جو

خاکسار حکیم محمد سراج الحق منیجر و پرنٹر و پبلشر دلگداز نے

۱۹۲۳ء مین

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگخان مین

چھپوا کے شائع کیا

طبع ثالث ۱۲۰۰ جلد

قیمت فی جلد (۱۲/)

ڈیڈیکیشن

عالیجناب نواب سلطان الملک بہادر دام اللہ مکارم اخلاقہم جیسی عنایت اس فقیر کے حال پر فرماتے رہے ہین۔ اور جو محبت اُنھین اپنے اس ادنےٰ خادم کے ساتھ ہے اُس کی یادگار مین اس کتاب کو مین اُنھین کے مبارک نام سے معنون کرتا ہون۔

خاکسار۔ محمد عبدالحلیم شرر

التماس

مین نے ایک زمانہ تک غور و فکر مین مصروف رہنے کے بعد اس تجویز پر کاربند ہونے کا ارادہ کیا ہے کہ جو مشہور اور نامی گرامی بزرگان سلف ہماری ایشیائی شاعری کے عنصر بنے ہوے ہین عام اس سے کہ کسی طبقہ اور کسی فن سے تعلق رکھتے ہون اُن کے حالات امکانی جستجو و تلاش اور تحقیق و تدقیق کے بعد شائع کیے جائین۔ اور ہر بزرگ کے حالات مین ایک مستقل رسالہ تیار کر دیا جائے حصول برکت کے لیے مین نے سب کے پہلے مشائخ صوفیہ کو منتخب کیا جن مین سے حضرت جنید بغدادی۔ ابوبکر شبلی۔ بایزید بسطامی۔ ابراہیم ادہم۔ اور حسین ابن منصور حلاج وغیرہ کے نام ہماری نظم و نثر مین بار بار آتے ہین۔ مگر جن کی زبان پر یہ نام آتے ہین اُنھین مین سے اکثر اُن کے حالات سے بالکل بے خبر ہین۔ مشائخ صوفیہ کے بعد دیگر لوگون کا مرتبہ ہے جیسے حاتم طائی سخاوت کا ہیرو ہے۔ مجنون و لیلیٰ فرہاد و شیرین عشق کے ہیرو ہین۔ اسی طرح کے اور بھی صدہا نام ہین جو کسی خاص ہنر یا جوہر سے تعلق رکھتے ہین۔ کیا اچھا ہو اگر ان سب کے حالات مین ایک ایک ایسا رسالہ اردو زبان مین موجود ہو جائے جو تحقیق و تفتیش کے بعد مرتب اور عمدہ عبارت مین تصنیف کیا گیا ہو۔ اس بارے مین مجھے سب سے زیادہ شکر گزار نواب ابونصر علی حسن خان بہادر کا ہونا چاہیے جنھون نے اپنے گران بہا کتب خانے سے فائدہ اٹھانے کا پورا موقع دیا۔

تاہم بغیر اس کے کہ قدر دانون کی ایک کافی تعداد پیدا ہو جائے ایسی جرأت میرے امکان مین نہ تھی لیکن تجربے سے ثابت ہو گیا کہ قوم مین ایسے فیاض و بلند حوصلہ قدر دان موجود ہین جو ایسے کامون کی جرأت کرتے وقت دستگیری کو موجود ہو جاتے ہین چنانچہ مندرجہ ذیل اُمرا اور بلند حوصلہ قدر دانون نے اُس تعداد مین جو اُن کے معزز نامون کے سامنے لکھی ہوئی ہے

اِس سلسلہ کے ہر رسالہ کی خریداری منظور فرمائی جن کا مین نہایت شکر گزار ہون۔ اور اگر یہ سلسلہ مفید ثابت ہوا تو اُردو لٹریچر ہمیشہ اُن کا زیر بار احسان رہے گا۔

(۱) عالیجناب راجہ نوشاد علیخان صاحب بہادر تعلقدار میلارائے پور (اودھ) ۵۰ جلدین

(۲) عالیجناب نواب ابو نصر سید علی حسن خانصاحب بہادر رئیس بھوپال (لکھنو) ۲۰ جلدین

(۳) مولنٰا مولوی محمد عبد الغنی صاحب عظیم آبادی وارثی (حیدر آباد دکن) ۱۰ جلدین

(۴) جناب مولوی سید برکات احمد صاحب (لکھنو) ۵ جلدین

(۵) عالیجناب نواب برق الدولہ برق جنگ بہادر (حیدر آباد دکن) ۲ جلدین

(۶) حافظ جلیل حسن صاحب جلیل جانشین حضرت امیر مینائی (حیدر آباد دکن) ۲ جلدین

حضرات موصوف کے علاوہ تقریبًا اسی قدر دانان علم نے تیار ہوتے ہی ایک ایک جلد ویلیو پی ایبل بھیج دینے کی اجازت عطا فرمائی جن کے اسمائے گرامی بھی اس سلسلہ کے کسی آیندہ نمبر مین شائع کر دئے جائین گے۔

جب بے اشتہار دیے اور بغیر کوئی نمونہ پیش کیے صرف پرائیوٹ کوشش کے نتیجہ مین اتنے قدردان مِل گئے ہین تو حضرت جنید کی یہ لائف شائع ہو جانے کے بعد ہمین ملک سے بہت زیادہ اعانت کی امید ہے۔ اور جو فہرست ہم دوسرے نمبر مین شائع کرین گے وہ زیادہ حوصلہ دلانے والی ہو گی۔

خاکسار محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

از باد ہمہ پیام اوے شنوم ۔۔۔ وز بلبل مست نام اوے شنوم

این نقش عجب کہ دیدہ ام بر در دل ۔۔۔ آوازۂ آن ز بام اوے شنوم

تمہید

تیسری صدی ہجری کا زمانہ وسطیٰ اسلام کے عروج کا زمانہ تھا! ور ایسا دور تھا کہ جیسے باکمال اسلام کے آغوش مین پرورش پا کے اُن دنون تیار ہو سکے پھر کبھی نہین نظر آئے۔ اسی بابرکت عہد کے لوگ تھے جن کے نقش قدم پر بعد والے چلتے رہے۔ اور وہی گران پایہ بزرگ تھے جن کے پیروی سلمانون کے لیے ہمیشہ ذریعۂ فلاح رہے گی۔

واقعی وہ عجیب دینی اور علمی خیر و برکت کا عہد تھا جب کہ مفسرین اپنے روحانی الہامون سے کلام ربانی کے رموز و حکم کا پتہ لگا رہے تھے محدثین اقوال و افعال حضرت

رسالت کی جستجو اور تحقیق و تدقیق کے بعد اُن کے مدوّن کرنے کی دھن مین لگے ہوئے تھے فقہا اپنی دقیقہ سنجی کی محنت سے روز بروز ثابت کرتے جاتے تھے کہ دنیا اپنی عام معاشرت اور نیز اپنے نظام حکمرانی و تمدن مین شریعت اسلامیہ کی کس قدر محتاج ہے۔ اور ذات یزدانی سے لو لگانے والے بزرگان دین اپنی خانقاہون مین خاموش بیٹھے ہوئے عالم باطن کے وہ مراحل طے کر رہے تھے جہان تک فرشتون کی بھی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔

اُسی زمانے مین ایک دن کا واقعہ ہے کہ بغداد کے اُس بازار مین جہان فرمانون کے کاغذات فروخت ہوتے تھے کسی مکان کے اندر ایک نوعمر عورت دلکش آواز اور وجد مین لانے والی دُھن مین یہ اشعار گا رہی تھی۔

اذا قُلتُ اہدی الہجرُ لی حُلل البلے — تقولین لولا الہجر لم یطب الحُبّ

جب مین کہتا ہون کہ ہجر نے مجھے مصیبت کے خلعت عطا کیے تو وہ جواب دیتی ہے کہ اگر ہجر نہ ہوتا تو محبت مین مزہ بھی نہ تھا۔

وان قلت ہذا القلب احرقہ الہویٰ — تقولی بنیران الہوی شرف القلب

اور اگر کہتا ہون کہ عشق نے اِس دل کو پھونک دیا تو وہ کہتی ہے کہ عشق کی آگ ہی نے تو دل کو شرافت عطا کی ہے۔

وان قلت ما اذنبتُ قالت مجیبۃً — حیاتک ذنبٌ لا یقاس بہ ذنبٌ

اور اگر کہتا ہون کہ مین نے کیا خطا کی تو جواب دیتی ہے کہ خود تیری زندگی ہی اتنا بڑا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہین ہو سکتا۔

ان اشعار اور اُس دلربا کے گلے نے شاید بہتون کو اپنی کشش سے راستہ روک کے کھڑا کر دیا ہو گا۔ بہتون کی زبان سے بے اختیار "واہ!" کا کلمۂ تحسین نکل گیا ہو گا

اور بہتون نے متاثر ہو کے بے تحاشا آہ فلک دوز کھینچی ہو گی۔ لیکن ان سب کے مذاق سے الگ ایک پاکباز و صاحب باطن رہرو پہ یہ نغمہ اور یہ جادو بھری آواز قیامت کا اثر کر گئی۔ اُس نے بے تحاشا ایک نعرہ مارا۔ اور اُس پر ایسا عالم وجد طاری ہوا کہ دروازے پر کھڑا ہو کے مستون کیطرح جھومنے لگا۔ اُس کا نعرۂ مستانہ سُن کے راہ گیر ٹھٹک کے کھڑے ہو گئے۔ قرب و جوار کے لوگ ہمدردی سے دوڑ پڑے۔ اور خود مالک مکان بھی گھبرا کے باہر نکل آیا۔ مالک مکان نے باہر آتے ہی پوچھا "کیا ہوا؟" اُس از خود رفتہ صاحب دل نے عجز و فروتنی سے جواب دیا "مجھے اس نغمے نے بیتاب کر دیا!" اس کے بعد گانے کی آواز سننا اور اپنا بیتاب و بیخود ہو جانا غرض ساری سرگذشت صاف صاف اور بلا کم و کاست کہہ سُنائی۔ مکان والا بھی اہل دل کا قدر شناس۔ فیاض اور منچلا تھا۔ ایک شریف و نیک سیرت شخص کو اس بیتابی و مدہوشی کے عالم مین دیکھ کے عرض کیا "حضرت یہ میری لونڈی کی آواز تھی۔ آپ کو اُس سے دلبستگی پیدا ہو گئی ہے تو وہ آپ ہی کی نذر ہے۔" یہ کہتے ہی اندر جا کے لونڈی کو باہر نکال لایا۔ اور اُس کا ہاتھ اِن بزرگ کے ہاتھ مین دے کے کہا "اب یہ آپ کی ہو چکی۔ آپ کو اختیار ہے چاہے یونہین اپنے تصرف مین لائیے۔ اور چاہے آزاد کر کے نکاح پڑھا لیجیے۔" یہ بزرگ بھی کوئی معمولی شخص نہ تھے۔ اُن کی بیخودی کسی شہوانی جوشش اور سیہ کاری کے جذبے کا نتیجہ نہ تھی۔ لونڈی پر قابو پایا تو اُسی جگہ اور اُسی مقام پہ آزاد کر کے اپنی خانقاہ کے ایک شریف و ہم مذاق دوست کے ساتھ اُس کا نکاح پڑھ دیا۔ اور آگے کی راہ لی۔[۱]

(۱) وفیات الاعیان لابن خلکان۔ حالات جنید بغدادی رح

اس واقعہ کی یادگار میں اُدھر اُس لونڈی کے بطن سے تو چند روز بعد ایک صاحب علم و فضل لڑکا پیدا ہوا جس نے پاپیادہ تیس حج کیے۔ ادھر ان بزرگ کی بھی عجیب حالت ہو گئی یہ نغمۂ دلکش اِن کے پُرشور دل پر کچھ ایسا اثر کر گیا تھا کہ اسی ایک سُریلی تان اور جادو بھری آواز نے سچی فنائیت کے رتبے پر پہونچا کے ولی کامل بنا دیا۔

یہ بزرگ کون تھے؟ انھیں کوئی گمنام و غیر معروف شخص نہ خیال کرو یہ ایک بڑے اعلیٰ پائے کے ولی کامل تھے۔ اور وہ شخص تھے جن کا نام حقیقت و عرفان کے عالم میں ہمیشہ آفتاب عالمتاب کی طرح چمکتا رہے گا۔ یہ حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے نام کا ساری دنیا ادب کرتی ہے۔ جنھوں نے ریاضت و نفس کشی اور صفائے باطن کے اعتبار سے اسلام میں امامت کا مرتبہ حاصل کیا ہے جنھیں مشائخ باطن اپنا پیشرو تسلیم کر کے "سید الطائفہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور جن کے حالات کو ہمارے ناظرین ان اوراق میں تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے۔

تصوف

لیکن حضرت جنید کے حالات کیطرف توجہ کرنے سے پہلے ضرورت ہے کہ تصوف کی اصلیت اور اُس کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے۔

حضرت رسالت علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مبارک تک چونکہ اسلام میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہوئی تھی۔ عقائد اور تمدن نئے نئے شگوفے نہیں کھلائے تھے لہذا ہر پیرو اسلام کے لیے مسلم کا سادہ اور عام لفظ استعمال کیا جاتا۔ اور جو دین

اسلام قبول کرتا فقط مسلم یا مومن کہلاتا۔ لیکن چند ہی روز میں باہمی امتیاز کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ سب کے پہلے جو امتیاز قائم ہوا وہ صرف قدامت سبقت اسلام۔ اور خدمتگزاری دین کے حقوق کے لحاظ سے تھا۔ سب میں زیادہ ممتاز عشرۂ مبشرہ تھے۔ اُن کے بعد جنھیں جبشہ کی ہجرت اولی نصیب ہوئی تھی۔ پھر وہ جو ہجرت کر کے مدینۂ طیبہ میں آئے۔ اور اُن کے بعد وہ جن کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ آن حضرتؐ کے بعد جب اسلام ممالک دور و دراز میں پھیلنا شروع ہوا تو مسلمانوں میں صحابی اور غیر صحابی کا امتیاز قائم ہوا یعنی جن لوگوں کو حضرت سرور کائنات صلعم کا دیدار نصیب ہوا۔ اور جنھیں نہیں نصیب ہوا۔ جب صحابہ کا دور ختم ہونے کو آیا تو تابعی کا لفظ پیدا ہوا یعنی اُن لوگوں کی عزت کیجانے لگی جھون نے کسی صحابی کا جلوہ دیکھا تھا۔ پھر تابعین کے بعد تبع تابعین تابعین کی زیارت کا فخر رکھنے والے معزز و محترم تصور کیے جانے لگے۔

تبع تابعین کے آخر عہد میں بلکہ تابعین ہی کے زمانے میں علوم دینی کی تقسیم شروع ہو گئی قرا قرآن تو پہلے ہی سے چلے آتے تھے۔ مگر اب مفسر۔ محدث۔ فقیہ۔ اور مورخ پیدا ہوئے۔ ان سب کے علاوہ عابدوں اور زاہدوں کا ایک اور طبقہ بھی تھا۔ جو زہد و تقوی اور عبادت و ریاضت کے اعتبار سے کسی اعزازی خطاب کا مستحق تھا۔ پہلے تو یہ لوگ صرف "عابد" یا "زاہد" کہے جاتے تھے۔ لیکن دوسری صدی ہجری ختم نہین ہونے پائی تھی کہ ان کے لیے صوفیہ کا ایک نیا اور انوکھا لفظ پیدا ہو گیا۔

وہ عابد و زاہد کے لفظ بہت مناسب تھے۔ اور شاید اُن کے چھوڑنے کی ضرورت نہ پیش آتی لیکن خرابی یہ ہوئی کہ مبتدع فرقے پیدا ہونے لگے تھے جن کی جُدا جُدا جماعتیں

ھ۵ تلبیس ابلیس۔ لابن جوزی ارح

قائم ہوتی جاتی تھیں۔ ہر فرقہ اپنے پرہیزگاروں اور اپنے گروہ کے مُرتاض لوگوں کو "عابد" و "زاہد" کے لقب سے یاد کرتا۔ اور اہل سنت اور دیگر مبتدع فرقوں کے عباد و زہاد میں بیچ امتیاز اُٹھتا جاتا تھا۔ زاہدان اہلسنت نے جب یہ رنگ دیکھا تو اپنے لیے صوفی کا لفظ اختیار کیا۔[عث] جو اہل سنت کے عابدوں زاہدوں اور مشہور متقی پرہیزگاروں کے ساتھ مخصوص تھا۔

چنانچہ اہلسنت میں سے جو لوگ دنیا کی طرف سے بے پروا ہو کے خدا سے لو لگاتے۔ پوری پابندی کے ساتھ شرعی احتیاطوں کو برتتے۔ اور تزکیۂ نفس کرتے وہ صوفی کہے جانے لگے۔ اور اُن کا فن اور مذاق تصوف کے لقب سے مشہور ہوا۔

مگر اس میں لوگ مدتوں سے غلطاں پیچاں چلے آتے ہیں کہ یہ لفظ ہے کس زبان کا اور اس کی اصلیت کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ صُوف سے نکلا ہے۔ جس کے معنے بکری کے بالوں کے ہیں۔ بعض اس کی اصلیت صُفّہ سے نکالتے ہیں جس کے معنیٰ چبوترے کے ہیں۔ حضرت سرور کائنات کے زمانے میں مسجد نبوی کے رقبے کے اندر ایک چبوترا تھا جس پر چند غریب اور فلاکت زدہ صحابی پڑے رہا کرتے تھے۔ اور آنحضرت کی اور نیز مستطیع مہاجرین و انصار کی فیاضی پر زندگی بسر کرتے تھے۔ اس چبوترے پر رہنے کی وجہ سے اُن کا نام اصحاب صُفّہ پڑ گیا تھا۔ بعض لوگ اس کی اصلیت صفا کے لفظ کو بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ چونکہ صفائے باطن کیا کرتے تھے لہذا صوفی مشہور ہوئے۔ بعض کا قول ہے کہ نہیں تصوف صَف کے لفظ سے نکلا ہے۔ چونکہ یہ لوگ زہد و عبادت کے لحاظ سے صف اول میں تھے اس لیے صوفی کہلائے۔[عث]

عث رسالۂ قشیریہ ۔۹۔ عث رسالۂ قشیریہ ۱۶۴ و ۱۶۵۔

مگر یہ سب باتیں بے بنیاد اور خلاف قیاس ہیں۔ یہاں تک کہ خود علامۂ قشیری نے ان تمام توجیہوں کی تردید کر دی ہے۔ انھیں مجبوریوں سے بعض متقدمین نے یونانی زبان کے الفاظ فلاسوفی اور تھیاسوفی کو دیکھ کے کہہ دیا کہ تصوف کا اصلی ماخذ یونانی زبان ہے۔ مگر سب سے زیادہ قابل وثوق اور مستند رائے علامۂ ابن جوزی کی معلوم ہوتی ہے۔ وہ ولید ابن قاسم کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت عرب میں صوفہ نام ایک گروہ تھا جو لوگ تارک الدنیا ہو کے عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے اور کعبے کے پاس بیٹھے رہا کرتے تھے۔ یہ صوفیہ لوگ خاندان غوث بن مرین میں سے تھے جو تمیم بن مرہ کا ایک قبیلہ تھا۔ پھر بعد بعثت نبوی اسلام میں جو لوگ اُن کے ہم مذاق پیدا ہوئے وہ بھی اُنھیں کی جانب منسوب ہو کے صوفی کہے جانے لگے۔[عث]

اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ تصوف کا لفظ ابتداءً چاہے جہاں سے نکلا ہو مگر اسلام میں اس سے کیا مطلب سمجھا گیا۔ مشاہیر صوفیہ علی الخصوص صاحب دل بزرگان سلف نے تصوف کی تعریف میں عجیب عجیب خیالات ظاہر کیے ہیں جن سے عالمانہ فصیح البیانی شاعرانہ نازک خیالی فلسفیانہ دقیقہ سنجی۔ اور عارفانہ خدارسی غرض سب ہی طرح کے کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ ابو محمد جریری نے کہا "ہر اچھے اخلاق میں داخل ہونا اور ہر بُرے اخلاق سے نکل آنا تصوف ہے۔"

جنید بغدادی نے فرمایا۔ "تصوف وہ ہے کہ خدا اُسی سے تجھے مارے اور اسی سے تجھے جلا سکے۔" اور ایک اور موقع پر کہا "تصوف یہ ہے کہ تیرے اور اللہ کے درمیان میں کوئی واسطہ نہ باقی رہے۔" حسین بن منصور نے کہا "صوفی ذات کا اکیلا ہے نہ کوئی اُسے قبول کرتا ہے

عث تلبیس ابلیس ۱۲

اور نہ وہ کسی کو قبول کرتا ہے"۔ سمنون نے کہا "تصوف یہ ہے کہ نہ تو کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی چیز تجھ پر قبضہ رکھتی ہو" رویم نے کہا "تصوف سے عبارت نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا ہے کہ وہ جو چاہے کرے"۔ ذوالنون مصری نے صوفیوں کی نسبت فرمایا "یہ ایک گروہ ہے جس نے ہر چیز کو چھوڑ کے اللہ کو اختیار کیا"[ع۵]۔ اسی طرح کی صدہا پر لطف تعریفیں ہیں جن کو افسوس کہ اس رسالہ میں زیادہ گنجائش نہ ہونے کے باعث ہم نہیں نقل کر سکتے۔

اصل میں صوفی وہی پرانے عباد و زہاد تھے جو نفس کشی، اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کی کوشش کرتے تھے۔ اور گویہ بالکل عملی فن تھا۔ اور ضبط تحریر میں آنا مشکل تھا۔ مگر فقہا و محدثین کیطرح مشائخ صوفیہ میں بھی اپنے اصول باطن اور رموز روحانی کے مدون و منضبط کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ فہرست ابن الندیم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیوں میں سے یحییٰ بن معاذ رازی نے جن کی وفات ۲۵۸ھ میں ہوئی سب سے پہلے تصوف میں کتاب المریدین لکھی۔ ان کے بعد بشر بن حارث المتوفی ۲۲۷ھ حارث بن اسد محاسبی المتوفی ۲۴۳ھ ابن ابی الدنیا المتوفی ۲۸۱ھ جو المکتفی باللہ کے اتالیق تھے۔ اور ابو حمزہ صوفی وغیرہ دیگر مشائخ اور علمائے تصوف نے زہد و تقویٰ اور دیگر مسائل تصوف کو تحریر میں منضبط کیا[ع۶]۔

اب یونانی فارسی اور سنسکرت زبانوں کے علوم بڑی تیزی سے عربی زبان میں ترجمہ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ لہذا دیگر علوم و فنون کیطرح ان قوموں کے الٰہیات سے بھی اہل عرب آشنا ہوئے۔ یہاں اس وقت تک خالص زہد و تقویٰ اور سیدھی سادی پیروی

ع۵ رسالہ قشیریہ ۱۶۵-۱۶۶۔

ع۶ کتاب الفہرست لابن الندیم ۱۸۴۔

سنت چلی آتی تھی۔ اب مرتاضان یونان و ہند کے حالات نظر آئے تو اسلام کے زہاد و عباد کا بھی رنگ بدلنے لگا۔ اور سچ یہ ہے کہ جس طرح فلسفۂ یونان نے اصول و عقائد اسلام میں اعتزال پیدا کیا اسی طرح یونانیوں اور دیگر غیر قوموں کے الٰہیات اور ان کی رہبانیت نے مسلمان اتقیا کو عابد و زاہد سے صوفی صافی بنا دیا۔

اب ان لوگوں میں وہ مسائل پیدا ہوئے جو سابقین اسلام کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرے تھے۔ سابق کے مذاق کے خلاف خرقہ پہنا گیا۔ سماع اور حال و قال کی صحبتیں گرم ہوئیں اور نفس کشی کے نئے نئے اسلوب جاری ہوئے۔ اس کے بعد ابو نعیم اصفہانی نے اصول تصوف میں کتاب حلیہ لکھی۔ اور ابو بکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان غنی۔ علی مرتضیٰ۔ اور دیگر کبار صحابہ کو اور بعد والوں میں سے قاضی شریح۔ حسن بصری۔ سفیان ثوری۔ امام احمد بن حنبل وغیرہ کو بھی صوفیوں کے گروہ میں شامل کر لیا۔ پھر علامہ عبدالکریم بن ہوزان قشیری نے رسالۂ قشیریہ لکھا جس میں فنا۔ بقا۔ قبض۔ بسط۔ وقت۔ حال۔ وجد۔ وجود۔ جمع۔ تفرقہ۔ صحو۔ سکر۔ ذوق۔ شوق۔ محو۔ اثبات۔ تجلی۔ محاضرہ۔ مکاشفہ۔ لوائح۔ طوالع۔ لوامع۔ تلوین۔ تمکین۔ شریعۃ۔ حقیقت وغیرہ پر بحثیں لکھیں[ع۷] اور یہ ایسی بحثیں اور اصطلاحیں تھیں جو اس زمانے کے محدثین و فقہا اور تمام علمائے اسلام کو بالکل نئی اور انوکھی نظر آئیں۔

جب علما نے مخالفت کی تو امرا اور سلطنت کو بھی صوفیہ کا گروہ ایک مبتدع فرقہ نظر آیا۔ ادھر ان بزرگ مشائخ کی زبان سے بھی وجد و استغراق اور جوش و خروش کے عالم میں اکثر ایسے کلمات نکل جاتے تھے جن سے علمائے زمانہ اور حکام وقت کو اور زیادہ

ع۷ تلبیس ابلیس۔

مخالفت ہوتی۔ ذوالنون مصری نے مقامات ولایت پر تقریر کی تھی۔ لوگون نے زندیق ولامذہب ہونے کا الزام دیا۔ اور وہ بیچارے پابزنجیر مصر سے بغداد لائے گئے۔ مگر جب خلیفہ نے اُن کی گفتگو سُنی اور ان کی سچی دینداری کا اندازہ کیا تو متحیر ہو کے بولا۔ "اگر یہ زندیق ہین تو پھر روے زمین پر کوئی مسلمان نہین"۔

سمنون محب پر ایک عورت فریفتہ تھی۔ مگر وہ اس سے بھاگتے تھے۔ عورت کا کسی طرح زور نہ چلا تو جل کے مشہور کر دیا کہ سمنون اور فلان فلان صوفی میرے یہان آیا کرتے ہین۔ اس خبر پر سارے شہر مین ہنگامہ مچ گیا۔ اور خلیفہ نے بلاتامل فرمان جاری کر دیا کہ سمنون اور اُن کے تمام رفقا گرفتار کر کے قتل کیے جائین۔ جان کے اندیشے سے اُن مقدس اشتہاری مجرمون مین سے بعض بھاگ کھڑے ہوئے اور بعض گھرون مین روپوش ہو گئے[1]۔

ابو سلیمان دارانی کی نسبت مشہور ہوا کہ وہ فرشتون سے ملنے اور باتین کرنیکے مدعی ہین۔ اور اسی الزام پر دمشق سے نکالے گئے۔ احمد بن ابی الجواری نے دعوی کیا کہ اولیاء اللہ کا مرتبہ انبیا سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی لوگون مین ایسا اشتعال پیدا ہوا کہ اُنھون نے دمشق سے بھاگ کے مکہ مین پناہ لی[2]۔

ایسا ہی واقعہ ابو یزید بسطامی کو پیش آیا۔ رئیس بسطام حسین بن عیسیٰ کے پاس لوگون نے آ کے کہا آبو یزید کہتے ہین رسول اللہ صلعم کیطرح مجھے بھی معراج ہوئی۔ اس پر برہم ہو کے حسین مذکور نے اُنھین بسطام سے خارج البلد کر دیا۔ بیچارے جا کے مکہ معظمہ مین اقامت

[1] طبقات کبری للشعرانی۔
[2] تلبس ابلیس۔

گزین ہوئے۔ پھر چند روز جرجان مین آ کے رہے۔ اور جب حسین بن عیسیٰ مر گیا تو اپنے وطن بسطام مین واپس آئے[1]۔

ابو سعید خراز نے اپنی کسی تصنیف مین لکھ دیا تھا "اگر تم پوچھو کہ کہان سے آتے ہو اور کہان جاتے ہو تو میرا جواب یہی ہو گا کہ خدا کے پاس سے اور خدا کے پاس"۔ علما نے اس پر تکفیر کا فتوی دے دیا۔

سہیل بن عبداللہ کو لوگون نے کفر و بدکاری کی تہمت لگائی۔ اور دنیا اُن بیچارے پر یہان تک تنگ ہوئی کہ خارج البلد کر کے بصرے مین بھیجے گئے۔ اور وہین غریب الوطنی مین انتقال کیا۔ اُن سے مخالفت کی بنیاد صرف اس قدر تھی کہ کہا کرتے تھے "توبہ ہر سانس کے ساتھ بندے پر فرض[2] ہے۔"

سید الطائفہ جنید بغدادی کو بھی بے دینی کی تہمت لگائی گئی۔ اور اُنھون نے فقہ کے دامن مین چھپ کے یعنی آپ کو بجاے صوفی کے فقیہ بتا کے جان بچائی۔ اس واقعہ کا حال آیندہ تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

محمد بن فضیل بلخی کو بھی صرف اِس بنیاد پر کہ وہ مذہب اہل حدیث کے پابند تھے جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ اور کہا گیا ہمارے شہر بلخ سے چلے جاؤ۔ اُنھون نے کہا مین یون خود سے تو نہ نکلون گا۔ مگر ہان جب تم میرے گلے مین رسی ڈال کے بازارون مین پھراؤ گے اور علانیہ کہو گے کہ یہ مبتدع ہے تب جاؤن گا۔ آخر اُن کے ساتھ یہی برتاؤ کیا گیا اور شہر چھوڑتے وقت اُن کی زبان سے نکلا: "خدا تمھارے دلون سے اپنی معرفت سلب

[1] طبقات کبری۔
[2] تلبیس ابلیس۔

کر دے۔" اور اُن کی یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ شہر بلخ جو اس وقت سے پہلے صوفیون کا مرکز تھا پھر اُس خاک سے کوئی اہل دل نہین پیدا ہوا۔

شیخ ابو عبد اللہ ابن ابی حمزہ کی زبان سے نکل گیا تھا کہ "مین بیداری مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہون" اِس پر ایک کمیٹی بیٹھی۔ اور اُن پر بے دینی کا الزام لگایا گیا۔ آخر اُنھون نے برخاستہ خاطر ہو کے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔ اور پھر سوا جمعہ کے کبھی کسی کو اُن کی صورت نہ دکھائی دیتی۔[ع۹]

جنید کے استاد حارث محاسبی نے علم کلام اور صفات باری پر کچھ گفتگو کی تھی جس پر امام احمد بن حنبل نے اُن سے ملنا چھوڑ دیا۔ بیچارے عوام کے خوف سے روپوش ہو گئے اور روپوشی ہی مین ۲۴۳ھ مین انتقال کیا۔[ع۱۰] اور امام احمد کی مخالفت کے باعث عام مسلمان اُن سے اس قدر ناراض تھے کہ اُن کے جنازے کی نماز پر چار آدمیون کے سوا پانچوان نہ تھا۔[ع۱۱] نیز جنید بغدادی باوجود اپنے علم و فضل کے بارہا پکڑے گئے۔ اور کئی مرتبہ اُن کو کفر و زندقہ کا الزام دیا گیا۔[ع۱۲]

ان مخالفتون اور عداوتون کا یہ نتیجہ تھا کہ اکثر صوفیہ عوام سے چھپ کے خاص ہم مذاقون اور اہل معرفت ہی کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کیا کرتے۔

جنید بغدادی کا فقہ کے دامن مین چھپنا تو مذکور ہی ہو چکا ہے مگر اُن کی پردہ پوشی

ع۹ طبقات کبریٰ للشعرانی۔

ع۱۰ تلبیس ابلیس۔

ع۱۱ ابن اثیر جلد ۷-۲۶-

ع۱۲ تلبیس ابلیس۔

اس سے بھی بڑھی ہوئی تھی معمول تھا کہ جب توحید پر گفتگو کرتے تو گھر کے اندرونی حصے مین دروازہ مقفل کرا کے کُنجیان زانو کے نیچے رکھ لیتے تو گفتگو کرتے۔ اور مریدون سے کہتے "کیا تمھین پسند ہے کہ لوگ اولیاء اللہ اور خاصان خدا کی تکذیب کرین؟ اور اُنھین کفر و زندقہ کا الزام دین؟"[ع۱۳]

لیکن جہان یہ دشمنیان اور مخالفتین تھین وہان اِن بزرگون کے ہزارہا قدردان بھی تھے۔ ان کے زہد و تقویٰ۔ ان کی عبادت و ریاضت۔ اور ان کی نیک نفسی و پاک باطنی کا عموماً یہ اثر تھا کہ جو ایک دفعہ مل لیتا ہمیشہ کے لیے غلام ہو جاتا۔ اور ان کے معتقدون اور مریدون کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی رہتی۔ وہی علما جو اپنی صحبتون مین اُنھین الزام دیتے تھے کبھی ان سے مِل جاتے تو ان کی زبان سے دو چار باتین سنتے ہی حلقہ بگوش ہو جاتے۔

ایک دن امام شافعی کے پاس امام احمد بن حنبل بیٹھے ہوئے تھے کہ شیبان راعی آ گئے جو ایک جاہل مگر پاک باطن صوفی تھے۔ امام احمد نے کہا "مین چاہتا ہون کہ شیبان کو اُس کی جہالت پر متنبہ کرون شاید اپنی حالت پر اُسے عبرت ہو اور علم کی طرف متوجہ ہو جائے"۔ امام شافعی نے روکا مگر احمد بن حنبل نے نہ مانا۔ اور شیبان سے پوچھا "ایک شخص پانچ نمازون مین سے ایک وقت کی نماز بھول گیا۔ اُسے نماز کا قضا ہونا تو یاد ہے مگر یہ نہین یاد کہ کس وقت کی نماز تھی۔ ایسے شخص کی نسبت تم کیا حکم دیتے ہو؟" شیبان نے کہا "یہ ایک دل ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گیا۔ لہذا واجب ہے کہ اُسے سزا دی جائے تاکہ پھر اپنے مالک کو نہ بھولے۔" یہ جواب سنتے ہی امام احمد پر وجد کا سا عالم

ع۱۳ طبقات الکبری ۱۲

طاری ہو گیا۔

ابو العباس سُریج جو مشہور فقیہ تھے جنید کی مجلس وعظ مین گئے۔ اثنائے وعظ مین کسی نے پوچھا "اس وعظ کی نسبت آپ کیا فرماتے ہین؟" جواب دیا "مین یہ تو نہین جانتا کہ یہ کیا کہہ رہے ہین۔ مگر اتنا جانتا ہون کہ اس کلام مین ایک ایسی شوکت ہے جو جھوٹ بولنے والے کے کلام مین نہین ہو سکتی[عہ]" اس کے بعد وہ حضرت جنید کی صحبت کے کچھ ایسے گرویدہ ہو گئے کہ اکثر شریک وعظ ہوا کرتے۔ اور اُن کے بعد ایک دن وعظ کہہ رہے تھے۔ اصول و فروع دین پر ایسی اچھی گفتگو کی کہ سامعین محو حیرت ہو گئے۔ لوگون کو متحیر دیکھ کے خود ہی پوچھا "تم جانتے بھی ہو کہ یہ نکات مجھے کہان سے حاصل ہوئے؟" اور آپ ہی جواب دیا کہ "یہ صرف ابو القاسم جنید کی صحبت مین شریک ہونے کا فیض[عٰہ] ہے"

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ صوفیہ متقدمین بعض اوقات جوش مین آکے بے شک ایسے کلمات زبان سے نکال بیٹھتے تھے جو بہ ظاہر خلاف شرع ہوتے وحدانیت کے جوش مین وہ اپنی خودی کو بھول جاتے۔ اور کہہ گزرتے کہ ہمین خود اپنی تنزیہ و تقدیس کرنی چاہیے۔ یا ایسی ایسی نئی روحانی اصطلاحین زبان پر لاتے جن سے فقہا و محدثین اور تمام علمائے سلف کے کان ناآشنا تھے لیکن اُس وقت تک وحدت وجود کا مسئلہ نہین پیدا ہوا تھا۔ اگلے دور کے بزرگان طائفہ صرف عابد و زاہد تھے جن مین پرانے مذاق کے اسلامی زہد و تقویٰ سے گزر کے کسی حد تک رہبانیت کی شان

عہ رسالہ قشیریہ ۳۳۶-

عٰہ مرآۃ الجنان یافعی -

پیدا ہو گئی تھی۔ اور ہان یہ بھی تھا کہ یہ بزرگ سماع کو جائز سمجھتے تھے۔ مگر سماع کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ ہی اُن دنون مختلف فیہ تھا بعض جلیل القدر آئمہ حدیث بھی اس کے خلاف نہ تھے۔ اور یہی سبب تھا کہ ان لوگون سے توحید و صفات باری کے مسائل پر تو بارہا باز پُرس ہوئی مگر سلطنت اور علما نے سماع کی صحبتون کے متعلق کبھی ان سے جواب نہین طلب کیا۔

یہ تھا اسلام کا وہ ابتدائی تصوف جو دوسری تیسری صدی ہجری مین تھا جس نے بڑے بڑے زاہد و مرتاض پیدا کیے۔ اور یہ تھا وہ مقدس اور پاک باطن گروہ جس کی مقتدائی اور سرداری کا تاج حضرت جنید بغدادی کے سر پہ رکھ کے اُنھین سید الطائفہ کا محترم خطاب اہل تصوف کے روحانی دربار نے عطا کیا۔

ولادت بچپن اور تعلیم و تربیت

حضرت جنید ایک ایسے خاندان مین پیدا ہوئے جس کو بظاہر نہ علم و فضل سے کوئی تعلق تھا اور نہ اُسے زہد و تقویٰ ہی کی حیثیت سے کوئی شہرت حاصل تھی۔ پدر بزرگوار جن کا نام محمد بن جنید تھا علاقہ جبل کے ایک غیر معروف شخص تھے۔ ہان ننھیالی تعلق آپ کو ایک بڑے محترم اور واجب التعظیم خاندان سے تھا۔ جس کے رکن رکین حضرت سری سقطی اُن دنون حقیقت و عرفان کے آفتاب بنے ہوئے تھے۔ سری سقطی جنید کے ماموں تھے[عہ]۔ جنھون نے بچپن ہی سے ہونہار بھانجے کو اپنے مذاق کی تعلیم دینی شروع

عہ وفیات الاعیان لابن خلکان-

کی۔ لہٰذا اس مین کوئی شک نہین کہ عبادت و ریاضت۔ زہد و تقویٰ اور حقیقت و معرفت کے کمالات آپ کو آبائی ورثے مین نہین بلکہ ننہال سے ملے۔

آپ کے زمانۂ ولادت کا پتہ لگانا نہایت دشوار ہے۔ آپ کے حالات لکھنے والون نے آپ کا زہد و تقویٰ دکھانے اور آپ کے کشف و کرامات کا ثبوت دینے کی کوشش مین تو ہر قسم کے رطب و یابس واقعات نقل کر دیے ہین۔ مگر یہ کسی نے نہ بتایا کہ آپ کس سال پیدا ہوئے اور کتنی عمر پائی۔ ہم آپ کے حالات پر غور کر کے صرف اتنا کہہ سکتے ہین کہ بظن غالب آپ کی ولادت ۲۱۵ھ و ۲۲۰ھ کے درمیان مین ہوئی۔ کیونکہ یہ معتبر ذریعون سے ثابت ہے کہ بیس برس کی عمر مین آپ علامہ ابو ثور ابراہیم بن خالد بغدادی کلبی کے حلقے مین بیٹھ کے فتویٰ دیا کرتے تھے[ع۱]۔ اور ابو ثور کی وفات ۲۴۰ھ مین ہوئی۔ لہٰذا ضرور ہے کہ آپ کی ولادت ۲۲۰ھ سے چند سال پیشتر ہی ہوئی ہو۔

ان واقعات کے ترتیب دینے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ خلیفہ مامون رشید کے آخر عہد مین پیدا ہوئے۔ جس نے ۲۱۸ھ مین دنیا کو رخصت کیا تھا۔ مامون کا زمانہ بہ لحاظ شوکت و حشمت اور نیز باعتبار علمی ترقیون کے اسلام کے شباب کا زمانہ تھا۔ اور مسلمانون مین دینی و دنیوی فنون کے باکمال جیسے اُس عہد مین موجود تھے پھر کبھی کم نظر آئے۔ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت جنید جن کی حقیقت شناسی و پاک باطنی نے اسلام کے علم روحانی کو آسمان کمال پر پہونچا دیا۔ وہ بھی عہد مامون ہی کی ایک ہمیشہ

ع۱ رسالۂ قشیریہ ۲۴۔
ع۲ ابن اثیر جلد ۷۔ ۲۴۔

زندہ رہنے والی یادگار تھے۔

آپ کے خاندان اور آبا و اجداد کا منشا و موطن قدیم شہر نہاوند تھا جو آل ساسان کی تاریخ مین ایک بڑا باوقعت اور معروف و مشہور شہر گزرا ہے۔ دولت ایران اور مملکت عثمانیہ کے درمیان مین جو متنازعہ فیہ کوہستان چلا گیا ہے اُن دنون علاقۂ جبل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس کوہستانی علاقے کا صدر مقام دولت عباسیہ کے آخری زمانہ تک یہی شہر نہاوند تھا۔ مگر حضرت جنید کی ولادت سے پہلے ہی آپ کے پدر بزرگوار وطن سے ہجرت کر کے عراق مین چلے آئے تھے اور آپ کی ولادت سے بجائے نہاوند یا علاقہ جبل کے سرزمین عراق کو شرف حاصل ہوا۔ جو سرزمین کہ اُن دنون کچھ ایسی زبردست کشش رکھتی تھی کہ ہر قسم کے کمالات اور ہر مذاق کے باکمالون کو اپنی طرف کھینچ لیا کرتی تھی۔

آپ کے پدر بزرگوار محمد بن جنید کا ذریعۂ معیشت یہ تھا کہ آئینون اور شیشہ آلات کی تجارت کرتے تھے[ع۱]۔ ممکن ہے کہ محمد بن جنید نے محض اپنی تجارت کے فروغ دینے اور اپنا کاروبار تجارت چلانے کے لیے سنسان پہاڑون کو چھوڑ کے عراق کی سکونت اختیار کی ہو۔ جس کا مستقر شہر بغداد ساری مشرقی دنیا کا دارالسلطنت اور دولت اسلام کا مرکز بنا ہوا تھا لیکن تاریخ ہمین اس خاندان کے جلاوطن ہونے کے اور قوی اسباب بھی بتاتی ہے۔

مامون رشید نے ۲۱۴ھ مین علی بن ہشام نام ایک معزز شخص کو اسی علاقۂ جبل

ع۱ وفیات الاعیان لابن خلکان۔
ع۲ طبقات الکبریٰ للشعرانی۔

اور اُس کے ساتھ قم۔ اصفہان اور آذربائجان وغیرہ کا والی مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اُس نے علاقے پر جاتے ہی رعایا پر ظلم و جور شروع کر دیا۔ بہتوں کا مال اسباب لوٹ لیا اور جائدادیں چھین لیں۔ بہتوں کو جان سے مارا۔ یہاں تک کہ سارے علاقے میں ہائے ہائے پڑ گئی۔ اس کی خبر مامون کے کان تک پہونچی تو فوراً عجیف بن عنبسہ نام ایک بہادر شخص کو بھیجا کہ ناخدا ترس علی بن ہشام کو گرفتار کر لائے۔ علی نے بغاوت کرنے اور بابک نام ایک سرکش باغی سے مل جانے کا ارادہ کیا۔ مگر عجیف بلائے ناگہانی کی طرح جا پہونچا۔ اور ٢١٧ھ میں لا کے اُسے دربار خلافت میں پابزنجیر کھڑا کر دیا۔ مامون اس قدر برہم ہو رہا تھا کہ فوراً علی بن ہشام اور اُس کے بھائی حبیب کا سر کٹوا لیا۔ اور حکم دیا کہ علی مذکور کا سر عراق۔ خراسان شام اور مصر میں تشہیر کرنے کے بعد سمندر میں پھینک دیا جائے۔[٥٦]

لہٰذا یہ یقینی بات ہے کہ ٢١٤ھ سے ٢١٧ھ تک علی بن ہشام کے ہاتھوں علاقۂ جبل کی رعایا پر جو مظالم ہوئے اُن کی جہاں اور بہت سے لوگ تاب نہ لا سکے ہوں گے وہاں محمد بن جنید بھی تاب نہ لائے۔ وطن کو خیرباد کہی اور اہل و عیال کو لے کے عراق میں آ بسے۔ جہاں دارالخلافت سے قریب ہونے کے باعث ماو شما کی دست برد کا بہت کم اندیشہ تھا۔

یہاں اُن کی شیشہ آلات کی دکان تھی جس پر حضرت جنید بغدادی بچپن ہی میں جا کے بیٹھا کرتے تھے۔ اور یہی سبب تھا کہ ہوش سنبھالتے ہی آپ کی زندگی بجائے کسی اور مشغلہ کے دکانداری سے شروع ہوئی۔ لیکن ننہالی تعلقات کے باعث جنید کو پدر بزرگوار کے مقابل اپنے ولی کامل ماموں حضرت سری سقطی سے زیادہ انس تھا۔

[٥٦] ابن اثیر جلد ٦-١٤٢-

اور وہ بھی آپ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

بچپن ہی سے جنید کو اُنھوں نے اپنے مذاق اور رنگ پہ لگانا شروع کر دیا تھا اکثر باتوں باتوں میں روحانی اور اخلاقی مسائل ذہن نشین کر دیا کرتے جو سن صبی کی نرم اور سادی لوح دل پر اس طرح نقش ہو جاتے کہ پھر کبھی نہ مٹ سکتے۔

جنید کی سات ہی برس کی عمر تھی کہ سری سقطی نے سفر حج کیا۔ اور جنید کو بھی باوجودیکہ ابھی بالکل بچے تھے اپنے ہمراہ لے گئے۔ یہ کسی دنیادار امیر اور تاجر کا سفر نہ تھا بلکہ ایک ولی کامل اور پاک باطن و روشن ضمیر شیخ کا سفر تھا۔ صدہا تارک الدنیا فقرا اور مرتاض اہل باطن ہمراہ رکاب تھے جن کا متبرک گروہ ہر منزل میں مراقبہ اور مکاشفہ کی صحبتیں گرم کرتا۔ اور باتیں بھی ہوتیں تو اعلیٰ درجے کے مسائل تصوف کی۔ جن کو جنید بادب بیٹھ کے سنتے اور دل ہی دل میں ولایت و خدارسی کے لیے تیار ہوتے۔

اس سفر کے حالات میں خود جنید کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ پہونچ لینے کے بعد ایک دن سری سقطی بیٹھے ہوئے تھے چار سو اہل باطن کا اُن کے گرد حلقہ تھا۔ اور میں اُن کے سامنے قریب ہی کھیل رہا تھا۔ باتوں باتوں میں "مسئلہ شکر" کا تذکرہ چھڑا۔ مختلف لوگ اپنے اپنے خیالات ظاہر کر چکے تو سری سقطی نے میری طرف نظر بڑھا کے فرمایا "بیٹا۔ بھلا تم تو بتاؤ شکر کیا چیز ہے؟" میں نے عرض کیا "یہ کہ اللہ کی نعمتوں کو پا کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔" ایک سات برس کے بچے کی زبان سے یہ جواب سن کے سب لوگ عش عش کر گئے۔ مگر سری سقطی نے صرف اتنا کہا "یقین ہے کہ تمھیں خداوند تعالیٰ سے جو فیض پہونچے گا وہ تمھاری زبان کے ساتھ مخصوص ہو گا۔ سری سقطی کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی - اور

[٥٥] تذکرۃ الاولیاء-

ساری دنیا جنید کی صوفیانہ معجز بیانی کی معتقد تھی. لیکن خود جنید اپنے ماموں اور مرشد سری سقطی کے اس فقرے کو یاد کر کے اکثر رو یا کرتے تھے۔ اس لیے کہ انھوں نے دل کے عوض زبان کے مورد فیض ربانی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تھی[عه]۔

بعض وقت آپ کی بچپن کی زبان سے ایسی حکمت باطنی اور رازداری حقیقت کی باتین سُن کے خود سری سقطی کو بھی استعجاب ہوتا تھا چنانچہ ایک اور مرتبہ انھون نے یہی شکر کا مسئلہ اِن سے پوچھا۔ اور ان کے زبان سے یہ فقرہ سُن کے کہ "خدا کی نعمتون سے اِس طرح نفع اُٹھانا کہ کسی معصیت کے کام مین اُن سے مدد نہ لی جائے" پوچھا "تھیں یہ باتین کہان سے معلوم ہوئین؟" انھون نے بے ساختہ عرض کر دیا کہ "جناب کی صحبت[عه] سے"

ان باتون نے جنید کو حضرت سری سقطی کے دل مین اس قدر عزیز بنا دیا تھا کہ وہ چاہے کسی اور کا کہنا نہ مانین مگر ان کا کہنا ضرور مان لیا کرتے تھے۔ اب اِن کی تعلیم کا زمانہ تھا۔ اور روز مکتب جایا کرتے تھے کہ ایک دن مکتب سے گھر آئے۔ اور اپنے والد کو آبدیدہ پایا۔ اس کا سبب پوچھا تو انھون نے کہا "مین نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی تھی اور خیال کیا کہ اس کا نہ کوئی تمھارے ماموں سری سقطی سے زیادہ مستحق ہے اور نہ اس کی مقبولیت کی اس سے بہتر کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ اسے قبول کرین مگر مین اُن کے پاس لے کے گیا تو انھون نے لینے سے قطعاً انکار کر دیا۔ اُن کے انکار سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ جسے مین نے خلوص نیت سے نکالا ہے

عه مراۃ الجنان یافعی۔
عه رسالہ قشیریہ۔ ۱۰۶۔

پاک باطن اور محتاط بزرگون کے قابل نہیں" پدر بزرگوار کو ملول و مغموم دیکھ کے نہ رہا گیا کہا "لائیے۔ مین ماموں جان کو دے آؤن۔ اور امید ہے کہ وہ قبول کر لین گے" انھون نے وہ رقم اِن کے حوالے کی۔ اور یہ لے کے سری سقطی کے دروازے پر پہونچے۔ اور دستک دی۔ اُنھون نے پوچھا "کون ہے؟" کہا "جنید" پوچھا "کیون؟" عرض کیا "یہ زکوٰۃ کی رقم قبول فرمائیے" جواب دیا "اسے تو مین نہ لون گا" انھون نے بہ ادب عرض کیا "آپ کو قسم ہے اُس خدائے عزوجل کی جس نے آپ پر اپنا فضل اور میرے والد کے ساتھ عدل کیا ہے اسے قبول فرمائیے" انھون نے پوچھا "یہ فضل اور عدل کیونکر؟" جواب دیا "آپ کے ساتھ خدا نے فضل یہ کیا کہ درویشی عطا کی۔ اور میرے والد کے ساتھ یہ عدالت کی کہ اُنھین دنیا کے دھندے سے لگا یا۔ آپ کو بے شک اختیار ہے کہ اس رقم کو چاہین نہ قبول کرین لیکن میرے والد پر زکوٰۃ نکالنا اور اسے اصلی حقدار تک پہونچانا فرض ہے" یہ گفتگو سری سقطی کو ایسی پسند آئی کہ وہ رقم فوراً قبول کر لی[عه]۔

حضرت سری سقطی اس ابتدائی زمانے مین جس عنوان سے جنید بغدادی کو روحانی تعلیم دیا کرتے تھے نہایت ہی موثر اور دلکش تھا۔ اور اُسے آج کل کے مذاق کے مطابق اگر علم باطن کا کنڈر گارٹن کہا جائے تو نا زیبا نہ ہو گا۔

ایک دن جنید سری سقطی کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ تو اُنھون نے کوئی کام کر دینے کو کہا۔ یہ کام کر لائے۔ اور اس کے بعد جو سامنے ادب سے بیٹھے تو اُنھون نے ایک لکھا ہوا رقعہ دیا۔ اور کہا تم نے میرا کام پھرتی سے کر دیا ہے یہ اُس کا معاوضہ ہے انھون نے کاغذ کھول کے پڑھا تو اُس مین یہ لکھا تھا کہ "ایک شتربان کو مین نے

عه تذکرۃ الاولیاء۔

بیابان میں یہ حُدی گاتے سُنا تھا۔

ابکی دھل یدر یک مایبکینی * ابکی حذراً ان تفارقینی * وتقطعی جبلی و تھجرینی عہ

ترجمہ یہ ہے میں روتا ہوں اور جانتے بھی ہو کہ کیوں روتا ہوں؟ اس دھڑکے سے روتا ہوں کہ کہیں تو مجھے فراق میں نہ مبتلا کردے اور میری امیدیں قطع کرکے مجھے چھوڑ دے۔ کیا نصیحت کا کوئی اس سے اچھا عنوان بھی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

آپ کی سیرۃ بیان کرنیوالوں نے ہمیں ان امور سے بالکل ناواقف رکھا ہے کہ آپ کس سن میں مکتب میں بٹھائے گئے۔ آپ کی اُستادی کا شرف سب کے پہلے کسے حاصل ہوا۔ کون کون کتابیں پڑھیں۔ اور کتنے زمانے میں کس قدر ترقی کی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ سب مدارج آپ نے طے ضرور کیے۔ سری سقطی اگرچہ آپ کو ایک پاک طینت شیخ وقت بنانا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ سعادتمند بھانجا جتنا بڑا ولی کامل ہو اتنا ہی بڑا فقیہ اور علامۂ زمان بھی ہو۔ لہذا ابتدائی مدارج تعلیم کا درجہ طے ہو جانے کے بعد غالباً اُنھیں کے مشورے سے آپ نے علم فقہ کی طرف توجہ کی۔

حضرت امام ابوحنیفہ کوفی اور صاحبین رحمہم اللہ کی برکت سے اِن دنوں بغداد میں فقہ کا بہت چرچا تھا۔ اور جس فقہ کی اُس زمانے میں حکومت کو ضرورت تھی وہ فقہ حنفیہ ہی تھی۔ اس لیے کہ وہی خلافت کا دستور العمل اور سلطنت کا قانون بنی ہوئی تھی۔ مگر آپ کو پابندی حدیث اور سنت نبوی پر عمل کرنے کا شوق تھا۔ لہذا بجائے اس کے کہ کسی حنفی فقیہ کے آگے جا کے زانوے شاگردی تہ کرتے فقہ شافعیہ

عہ رسالہ قشیریہ ۱۹۶

کی طرف توجہ کی۔ خوش نصیبی سے اُن دنوں حضرت امام شافعی کے شاگرد وبے ہمتا ابوثور ابراہیم بن خالد الکلبی خاص بغداد میں موجود تھے۔ اُنھیں کی خدمت میں حاضر ہو کر شاگردی کی درخواست کی۔ اور اجازت پاتے ہی حلقۂ درس میں شریک ہو گئے عہ۔ اس درس گاہ میں پہونچ کے آپ نے اس قدر جلد اور ایسی نمایاں ترقی کی کہ ہنوز عنفوان شباب کا زمانہ اور بیس برس کی عمر تھی کہ علامۂ ابوثور کے منتہی شاگردوں میں شمار کیے جانے لگے۔ اور اُن کے پاس بیٹھ کے فتوے دیا کرتے تھے عہ۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت جنید علامۂ ابوثور نہیں سفیان ثوری کے باغ علم کے خوشہ چینوں میں تھے۔ اور آپ کا شمار گران پایہ فقہائے سفیانیہ میں ہونا چاہیے۔ مگر یہ بعض راویوں کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ غالباً ثور کے لفظ کی تجنیس نے دھوکا دیدیا۔ ورنہ قرائن بھی اس امر پر دال ہیں کہ آپ نے علامۂ ابوثور کی شاگردی کی۔ اور جمہور مورخین کا اتفاق بھی اسی پر ہے۔

جنید اگرچہ ان دنوں ایک فقیہ اور علامۂ وقت تھے مگر باطنی تعلیم کا سلسلہ گھر میں قدرتی طور پر جاری تھا۔ کیونکہ گھر میں جتنا وقت صرف ہوتا زیادہ تر سری سقطی ہی کی صحبت میں بسر ہوتا۔ تاہم ابھی تک بہ ظاہر سری سقطی نے نہ اپنا مرید کیا تھا اور نہ باضابطہ طریقے سے رموز باطن کی تعلیم شروع کی تھی۔ وہ ابھی یہی چاہتے تھے کہ جنید علوم ظاہر میں فضل وکمال حاصل کریں۔

عہ وفیات الاعیان۔

عہ رسالہ قشیریہ۔

عہ مرآۃ الجنان یافعی۔

آخر ۲۴۰ھ میں ابو ثور نے انتقال فرمایا۔ اور اپنے صاحب دل شاگرد رشید کو ایک مستند فقیہ بنا کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اسی زمانے میں غالباً لونڈی کا دلکش نغمہ سننے کا واقعہ پیش آیا۔ جسے ہم تمہید میں بیان کر آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُن تمام جذبات میں جنھیں سری سقطی آہستہ آہستہ اور بے تعلقی کے ساتھ آپ کے دل میں پیدا کرتے رہے تھے یکایک ایک جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور وقت آگیا کہ جنید بغدادی جو ایک مستند فقیہ شافعی تھے علوم ظاہری کی درس گاہ کو چھوڑ کے حقیقت و معرفت کے مدرسۂ آلہی میں داخل ہوں۔

علوم باطن کی تحصیل۔ ارادت اور معرفت

سری سقطی نے اُنھین علوم باطنی کی تحصیل پہ تیار اور رمز حقیقت جاننے کے لیے بیتاب دیکھنے پر بھی مناسب نہ جانا کہ پہلے ہی پہل اپنے حلقۂ ذوق مین شریک کر لین۔ بلکہ دیگر مشائخ زمانہ کے پاس بھیجا۔ اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ سری سقطی کو بھانجے کے ساتھ جو خُردی و بزرگی کا تعلق تھا۔ اور جیسی قرابت داری کی فطری محبت تھی وہ ممکن تھا کہ زیادہ سختی کرنے مین مزاحم ہوتی۔ اور مراحل عرفان طے کرنے کے لیے جیسی جیسی سختیان برداشت کرنے اور مرشد کو مرید کا جس قدر سخت امتحان لینے کی ضرورت ہے اُس کی پوری پوری تعمیل اِن تعلقات قرابت کے ساتھ نہایت دشوار تھی۔

ع۱۵ ابن اثیر۔

الغرض آپ نے درس گاہ حقیقت مین قدم رکھا تو اپنے ماموں کی صحبت چھوڑ کے اور غالباً اُنھین کے اشارے سے ابو عبد اللہ حارث بن اسد محاسبی کی خلوت گاہ فیض مین پہونچے جو اُس زمانے کے مرجع خلق باکمالون مین تھے۔

یہ بزرگ باعتبار علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے یکتائے زمانہ تسلیم کیے جاتے تھے اصلی وطن بصرہ تھا۔ مگر بغداد مین سکونت اختیار کر لی تھی[عہ]۔ ان کی ولادت کے وقت تک حسن بصری زندہ تھے[عہ]۔ اور اگر اُن کی روایت کا لحاظ کیا جاوے تو اُن کا شمار تبع تابعین مین تھا۔ اتقا کی یہ حالت تھی کہ والد ستر ہزار روپیہ چھوڑ کے مر گئے تھے۔ مگر اُنھون نے ترکہ مین سے ایک حبّہ نہ لیا اور محض اس بنیاد پر کہ وہ اگرچہ مسلمان تھے مگر قدر کے قائل تھے یعنی انسان کو فاعل مختار جانتے تھے۔ صاف کہ دیا کہ میرے والد مجوس کے ہم عقیدہ تھے۔ مین اُن کی جائداد نہین قبول کر سکتا کیونکہ حدیث مین آیا ہے کہ مختلف المذہب لوگ ایک دوسرے کے وارث نہین ہو سکتے۔ اور پھر اس کے ساتھ حالت یہ تھی کہ جب انتقال ہوا ہے کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔ اُن کا قول تھا کہ "جس کسی کا باطنی مراقبہ خلوص نیت سے درست ہو جاتا ہے اُس کے ظاہر کو اللہ جہاد نفس اور پیروی سنت سے مزین کر دیا کرتا ہے[عہ]۔ یعنی سچی ولایت کی پہچان اتباع سنت رسول صلعم ہے۔ لقمۂ حلال کھانے مین اُن کی احتیاط اس درجے کو پہونچی ہوئی تھی کہ ناجائز لقمہ ہاتھ مین آتا تو انگلیون کی ایک مخصوص رگ پھڑکنے لگتی اور وہ فوراً ہاتھ روک لیتے[للعہ]۔

عہ رسالہ قشیریہ۔

عہ تذکرۃ الاولیاء۔

عہ رسالہ قشیریہ۔ للعہ وفیات الاعیان لابن خلکان۔

ایسے پاک باطن شیخ کی خدمت مین حاضر ہو کے جنید نے تصوف اور علم باطن کو باقاعدہ طریقے سے اور اُسی کے ہو کے حاصل کرنا شروع کیا۔ یہ کہ مرشد نے کس قسم کی تعلیم دی۔ اور صفاے باطن کی کیا کیا تدبیرین بتائین۔ مرشد و مرید کے وہ راز و نیاز ہین جن تک ہماری رسائی نہین ہو سکتی۔ سری سقطی تو حقیقۃً جنید کے ماموں تھے مگر حارث محاسبی کو وہ چچا کہہ کے خطاب کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک دن حارث محاسبی کو جنید نے اپنے گھر کی طرف سے گزرتے دیکھا۔ اور اُن کی ناتوانی اور چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوا کہ اس وقت بہت بھوکے ہین۔ عرض کیا "چچا۔ گھر مین تشریف لا کے کچھ نوش فرما لیجیے۔" اُنھون نے کہا "بہتر" اور اندر چلے آئے۔ اتفاقات کو پڑوس کے ایک گھر مین شادی تھی۔ اور وہان سے کھانا آیا تھا۔ وہی کھانا جنید نے سامنے لے جا کے رکھ دیا۔ اُنھون نے ایک لقمہ اُٹھا کے مُنہ مین دو چار دفعہ پھرایا اور گھبرا کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لقمہ کو ڈیوڑھی مین اُگل کے ڈال دیا۔ اور بے کچھ کہے سُنے چلے گئے۔ دو چار روز بعد جنید نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا "مین اس وقت بھوکا تھا۔ چاہا کہ کچھ کھا کے تمھارا دل خوش کر دون۔ لیکن اللہ جل شانہ نے مجھے ایک علامت بتا دی ہے کہ جس لقمہ مین کسی قسم کا شبہہ ہو میرے گلے سے نہین اُترتا۔ اِسی سبب سے وہ نوالہ میرے حلق سے نہ اُتر سکا۔" پھر پوچھا "وہ کھانا کہان سے آیا تھا؟" عرض کیا "وہ پڑوس سے آیا تھا۔ لیکن آج تشریف لے چل کے کچھ نوش فرمائیے۔" وہ پھر چلے آئے۔ اور اُنھون نے سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا پیش کر دیا۔ جسے اُنھون نے کھایا اور فرمایا "جب فقیر کے سامنے پیش کرنا ہو تو ایسی ہی چیز پیش کیا کرو۔"

عہ۵ رسالہ قشیریہ - ۱۷-۱۶-

حارث محاسبی صاحب تصنیف صوفیہ مین تھے۔ سلوک مواعظ اور اصول دین مین انھون نے متعدد کتابین لکھین جن مین سے خاصۃً کتاب الرعایۃ کی بہت شہرت ہوئی۔[عہ۵] ایام ارادت مین حضرت جنید نے اِن کتابون کا مطالعہ کیا ہو گا۔ اور یقیناً اُن کی تعلیم باطنی مین اِن کتابون نے اعلیٰ سلسلۂ درس کا کام دیا ہو گا۔

مگر افسوس جنید کو حارث محاسبی کے حلقۂ ذوق مین شریک ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ فقیہ ابو ثور شافعی کی وفات کے تین سال بعد ۲۴۳ھ مین حارث نے بھی انتقال فرمایا اب وقت آ گیا تھا کہ جنید اپنے ماموں اور اصلی مرشد سری سقطی کی خلوت گاہ توحید مین بار پائین۔ اور اُن کے ذوق و شوق کے محرم راز بن جائین۔ آ کے اُن کے مرید ہوئے۔ اور ریاضت شروع کر دی۔

مگر زیادہ قابل لحاظ یہ بات ہے کہ جنید کی درویشی مین ریاکاری کو کسی قسم کا دخل نہ تھا۔ بیعت کی لیکن نہ وضع بدلی اور نہ کبھی زندگی بھر خرقہ پہنا جس کا مشائخ صوفیہ مین رواج ہوتا جاتا تھا۔ وہ حسب معمول سابق علما و فقہا کی وضع مین رہتے۔ بعض اوقات مریدین اصرار بھی کرتے تو جواب دیتے "اگر مین جانتا کہ خرقے ہی پہ رمز حقیقت کا کھلنا منحصر ہے تو مین لوہے اور آگ کے کپڑے بنا کے پہن لیتا۔ لیکن ایسا نہین۔ یہان ہر گھڑی باطن مین یہ ندا سُنی جاتی ہے کہ: خرقہ کا اعتبار نہین اعتبار ہے تو جان جلنے یعنی دل مین آتش شوق بھڑکنے کا۔"[عہ۵]

سری سقطی کا نام اس سے پیشتر بھی بارہا آ چکا ہے۔ مگر وہ بہ لحاظ قرابت اور دنیوی تعلقات کے تھا۔ اب یہ نام بہ حیثیت ایک مرشد اور شیخ طریقت کے آیا ہے تو ہمین اُن کی مختصر

عہ۵ مرآۃ الجنان للیافعی۔ حالات ۲۴۳ھ

عہ۵ تذکرۃ الاولیا۔

حالات ضرور بیان کر دینے چاہیے۔ اُن کا پورا نام ابو الحسن سری بن مغلس سقطی ہے۔ ابتداءً تجارت کرتے تھے۔ مگر ایک دن اپنی دُکان مین بیٹھے تھے کہ شیخ وقت معروف کرخی ایک یتیم بچے کو ساتھ لیے ہوے آئے اور کہا "اسے کپڑے پہنا دو" انھون نے بے تامل اُس کو کپڑے پہنا دیے جس پر خوش ہو کے معروف نے دعا دی کہ "اللہ تمھارے دل مین دنیا کی طرف سے بغض پیدا کرے اور جس حالت مین ہو اُس سے تمھین نجات دے" بس اسی وقت سے یہ حالت ہو گئی کہ تمام مال واسباب سے ہاتھ اُٹھایا۔ دنیا چھوڑ دی اور معروف کرخی کے ہاتھ پر توبہ کر کے اُنھین کے نقش قدم پر چلنے لگے۔[عہ]

معروف کرخی نے اپنے دل کا چراغ حقیقت حضرت امام موسی رضا[ع] کی شمع معرفت سے روشن کیا تھا کیونکہ وہ اصل مین عیسائی تھے۔ حضرت امام موسی رضا کے ہاتھ پر ایمان لا کے اُن کے موالی مین شامل ہو گئے۔ اور وہ فیض حاصل کیا جو امام ممدوح کو بہ توسط اپنے آباء کرام کے حضرت رسالت سے پہونچا تھا۔[عہ]

مگر یہ صرف ایک وضع ظاہر کا نباہنا تھا ورنہ جنید کی اصلی درس گاہ معرفت اور ہی تھی چنانچہ ایک دفعہ لوگون نے پوچھا کہ آپ نے یہ علم و فضل کہان سے حاصل کیا؟ اس کے جواب مین اُنھون نے اپنے گھر کے ایک زینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "اِس

عہ وفیات الاعیان لابن خلکان۔

عہ مصنف رسالۂ قشیریہ۔ اور اُن کے بعد تمام متاخرین یہی سلسلۂ فیض بتاتے ہین اور اس کی تصدیق آجکل کے شجرے بھی کرتے ہین۔ مگر ابن الندیم جو قرون سابقہ کا اور اُسی عہد کا مستند مورخ ہے لکھتا ہے کہ معروف کرخی کو فرقد سنجی سے اُنھین حسن بصری سے اور اُنھین انس بن مالک اور ستر بدری صحابیون سے فیض پہونچا تھا۔ اور تاریخی حیثیت سے ہم ابن الندیم کو زیادہ معتبر جانتے ہین۔

زینے کے نیچے تیس سال تک خدا کے سامنے بیٹھ کے" ابو علی جو اُن کے خاص عقیدت کیشون مین تھے کہتے ہین کہ اُن کا معمول تھا ہر روز اپنے حجرے مین جا کے پردہ ڈال لیا کرتے اور جب چار سو رکعتین پڑھ لیتے تو باہر نکلتے۔[عہ]

اس زمانے مین معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دُکان شیشہ آلات کی نہین بلکہ ریشمی کپڑون کی تھی اور گو کسب معیشت کے لیے دُکانداری کرتے مگر اسی دُکان کو آپ نے اپنی خانقاہ بنا لیا تھا۔ اب یہ دکان بھی چھوڑ دی۔ اور سری سقطی کے مکان کی ڈیوڑھی مین ایک کوٹھری تھی اُس مین عزلت گزین ہو کے اپنے اوراد و وظائف بجا لانے لگے۔ چالیس برس تک یہان بیٹھے رہے۔ جن مین سے تیس سال تک نماز عشا کے بعد سے صبح تک کھڑے اللہ اللہ کیا کرتے اور اُسی عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ خود اُن کا بیان تھا کہ اِس گوشہ گیری کو جب چالیس سال ہو گئے تو میرے دل مین گمان پیدا ہوا کہ مین اپنی کوشش مین کامیاب ہو گیا۔ کہ یکایک ہاتف غیب کو یہ کہتے سُنا۔ "جنید اب وقت آیا ہے کہ تیرے زنار کا گوشہ تجھے دکھایا جائے"۔ سُن کے مین نے کہا "میری خطا کیا ہے؟" جواب ملا کیا اس سے بڑا بھی کوئی گناہ ہو سکتا ہے کہ تو موجود ہے؟" یہ سنتے ہی مین ایک آہ کھینچ کے سر بگریبان ہو گیا۔ اور زبان سے نکلا "من لم یکن للوصال اہلاً فکل حسناتہ ذنوب"۔ علاوہ اِن عبادتون کے روزے اس کثرت سے رکھا کرتے تھے کہ اگر اُنھین صائم الدہر کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ کیونکہ معمولاً ہمیشہ اور ہر روز صائم ہی نظر آتے۔ سوا اُس دن کے جب کہ بعض ہم مذاق

عہ رسالہ قشیریہ۔

احباب اُن کے گھر مین آتے اور مہمان ہوتے۔ایسے دنون مین وہ روزہ چھوڑ دیتے۔اور کہتے "برادران اسلام کی ہم آہنگی وہم مذاقی نفل روزے سے افضل ہے عہ"

مگر ان باطنی ترقیون اور فقرا کی صحبتون کے ساتھ علم وفضل کی یہ شان ہمیشہ نظر آتی کہ اپنے نزدیک کوئی امر خلاف شرع نہ کرتے۔ایک طرف تو جوش روحانیت سے کہتے "ہم نے تصوف کو قیل وقال سے نہین بلکہ بھوکے رہنے۔دُنیا کو ترک کرنے۔اور مانوس وپسندیدہ اشیا کے چھوڑ دینے سے حاصل کیا ہے عہ" دوسری طرف جوش وخروش سے فرماتے "خلقت پر (باطنی ترقی کے) تمام راستے بند ہین۔سوا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کے نجات اِسی راستے پر چلنے والے کے لیے ہے" اکثر یہ بھی کہا کرتے کہ ہمارا یہ مذہب اصول کتاب وسنت کا مقید ہے" یعنی کوئی صاحب باطن ان دونون چیزون کی حد سے باہر نہین جاسکتا۔اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اُنھون نے ایک دفعہ فرمایا کہ "جو حافظ قرآن نہین اور جس نے حدیثین نہین قلمبند کین اُس کی من حیث الدین ہرگز پیروی نہ کی جائے عہ"

لیکن اِن تمام عبادتون اور ریاضتون سے بڑھا ہوا اُن کا مراقبہ تھا۔اپنی خلوت گاہ مین سب سے الگ ہو کے بیٹھتے تو ذوق تجرد کا یہان تک جوش وخروش ہوتا کہ اپنے نیچے سے مصلّے تک کھینچ کے پھینک

عہ تذکرۃ الاولیا عہ رسالہ قشیریہ۔ عہ تلبیس ابلیس

دیتے۔اور ذات ربانی مین محویت یہان تک بڑھتی کہ وہی ایک ذات ہوتی اور سارے مافی الکون کے ساتھ خود بھی فنا کے دامن مین چھپ کے غائب ہو جاتے۔

اس حالت کی نسبت خود ہی فرماتے ہین "اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے نہ اس کی فرشتہ کاتب اعمال کو خبر ہوتی ہے کہ لکھے۔نہ شیطان کو معلوم ہونے پاتا ہے کہ اُسے مغشوش کرے۔اور نہ ہوائے نفس کی وہان تک رسائی ہوسکتی ہے کہ انسان کو دوسری طرف مائل کرے" اس سے بھی زیادہ توضیح کے ساتھ اپنے روحانی تغیرات وحالات کو بیان فرماتے ہین "اللہ جل شانہ کا خوف مجھ مین قبض (انقباض طبیعت) پیدا کرتا ہے۔اُمید ورجا مجھ مین بسط (انبساط) پیدا کرتی ہے۔حقیقت مجھے جمع کرتی ہے۔اور حق جدا کر دیتا ہے۔خوف سے جب قبض کی حالت طاری ہوتی ہے تو وہ رب العزت مجھے فنا کر دیتا ہے۔اس کے بعد جب رجا کی حالت پیدا ہوتی ہے تو وہ مجھے پھر اپنی اصلی حالت پر لے آتا ہے۔حقیقت کے ذریعے سے جب وہ جمع کے عالم مین پہونچاتا ہے تو اپنی حضوری مین لے جاتا ہے۔مگر اس کے بعد جب حق کے ذریعے سے مجھے جدا کرتا ہے تو غیر بنا کے موجود کر دیتا ہے۔اور اُس کے میرے درمیان مین پردہ پڑ جاتا ہے غرض وہ جل شانہ اِن تمام حالتون مین بجائے روکنے کے مجھے

عہ تذکرۃ الاولیا۔

حرکت دینے والا- اور بجائے اُنس دینے کی وحشت دلانے والا ہے-
مین اپنے حضور سے اپنی ہستی مین مبتلا رہتا ہون اور کاش اپنی
ذات مین مجھے فنا کر دیتا تو مین لطف اُٹھاتا- یا مجھے میری ذات سے
غائب کر دیتا تو مجھے آرام ملتا [ع۵]"

ان باطنی حالات اور وجدانی کیفیات کو بہتون نے بیان
کیا- مگر جس لطف اور وضاحت سے حضرت جنید نے بتا دیا ہے شاید
کوئی اور شیخ طریقت نہ بتا سکا ہو گا- اور اصل یہ ہے کہ جس طرح
علوم دینیہ اور فنون شرعیہ مین تبحر حاصل کر کے آپ نے رموز
باطن کو پردہ اُٹھا کے دیکھا اور کوئی نہ دیکھ سکا ہو گا- اور یہ ساری
برکت حضرت سری سقطی کی تعلیم کی تھی- بظاہر اب بھی اُن کی تعلیم ویسی
ہی سادی تھی جیسی کہ ہم پہلے دکھا چکے ہین- مثلاً ایک دن ایک رقعہ
دے دیا- اور فرمایا یہ تمھارے لیے سات سو قصّون سے زیادہ بہتر ہے-
کھول کے پڑھا تو یہ تین شعر لکھے ہوے تھے-

ولما ادّعیتُ الحب قالت کذبتنی   فمالی اُری الاعضاء منک کواشیا

جب مین نے دعوائے محبت کیا تو وہ بولی تم جھوٹے ہو- دل مین محبت
ہے تو مجھے تمھارے ہاتھ پاؤن موٹے تازے کیون نظر آتے ہین؟"

فما الحب حتی یلعق الظہر بالحشا   وتذبل حتی لاتجیب المنادیا

محبت نہین ہوتی جب تک یہ حالت نہ ہو جائے کہ پیٹ پیٹھ سے لگ جائے

ع۵ رسالہ قشیریہ - ۴۳ -

اور اتنے دُبلے ہو جاؤ کہ کوئی پکارے تو جواب نہ دے سکو-

وتنحل حتی لایبقی لک الہوی   سوی مقلۃ تبکی بہا وتناجیا [ع۵]

اور اس قدر گھل جاؤ کہ سوا گوشۂ چشم کے جس سے رؤ اور عاجزی کرو تم
مین عشق کچھ باقی ہی نہ رکھے-

یہ روحانی سبق اگرچہ نہایت آسانی کے ساتھ دیا گیا- مگر اس کی تعمیل کس قدر
دشوار تھی؟ اور جس کسی نے اس پر عمل کر لیا ہو گا ظاہر ہے کہ کتنے اعلیٰ کمال
باطن کو پہونچ گیا ہو گا- حضرت جنید کو اسی قسم کے سبقون نے اس مرتبۂ عالی پر
پہونچا دیا تھا کہ اپنی اگلی پچھلی حالتون کا فرق خود ہی ان الفاظ مین ارشاد فرماتے
ہین: "مین سری سقطی کو اکثر یہ کہتے سُنا کرتا تھا کہ بندہ ترقی کر کے اس درجے کو
پہونچ جاتا ہے کہ اگر کوئی اُس کے چہرے پر تلوار مارے تو بھی اُسے خبر نہ ہو- مگر
اس کی واقعیت مین مجھے شک تھا- مین نہین باور کرتا تھا کہ انسان پر ایسی
محویت طاری ہو سکتی ہے- آخر خود مجھ پر یہی حالت طاری ہوئی اور آشکارا
ہو گیا کہ یونہین ہے جیسا کہ سری سقطی فرماتے تھے [ع۵]"

سری سقطی کی زبان سے ایک مرتبہ تو بچپن مین اپنی زبان کے مورد فیض
ربانی ہونے کی پیشین گوئی سُنی تھی اور ایک اب سُنی جب کہ بہ حیثیت مرید
اُن کی خدمت گزاری کر رہے تھے- فرماتے ہین ایک دن میرے پاس
چار درہم تھے- لے کے سری سقطی کے پاس گیا- اور اُنھین پیش کر کے
کہا یہ آپ کی نذر ہین- وہ بے انتہا خوش ہوے- اور اُنھین

ع۵ مرآۃ الجنان یافعی عہ رسالہ قشیریہ -

قبول کر کے کہا "اے نوجوان تجھے فلاح (اُخروی) حاصل ہونے کی خوشخبری ہو۔" مین نے عرض کیا وہ کیون؟ "فرمایا" اس وقت مجھے چار ہی درہم کی ضرورت تھی۔ اور مین نے دعا مانگی تھی کہ بار الٰہا یہ رقم مجھے اس شخص کے ہاتھ سے دلوا جو تیرے نزدیک فلاح پانے والا ہو۔" بلکہ علامۂ یافعی کا بیان ہے کہ اس خوش خبری کے بعد جنید کے دل سے وہ ملال دور ہو گیا جو پہلی پیشین گوئی سے دل مین جم گیا تھا۔

اب اُن کا کمال باطنی اس درجے کو پہونچ گیا تھا کہ اکثر اوقات آپ کی روحانی حس مرشد کی قوت باطنی سے بھی سبقت لے جاتی۔ اور شیخ کو خود اپنے مرید سے سبق ملتا۔ فرماتے ہین "مین ایک دن سری سقطی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہون کہ اُن کے قریب ایک شخص بیہوش پڑا ہوا ہے۔ مین نے پوچھا اِسے کیا ہوا کہ اس قدر از خود رفتہ ہے؟ سری نے فرمایا قرآن کی آیت سُنی تھی بس سنتے ہی اس شخص کی یہ حالت ہو گئی۔ مین نے کہا تو وہی آیت پڑھ کے دوبارہ سُنائیے ہوش مین آ جائے گا۔ سری نے دوبارہ وہ آیت پڑھی اور اب کی اُسے سنتے ہی ہوش آ گیا۔ سری نے متعجب ہو کے پوچھا تمھین یہ تدبیر کیونکر اور کس سے معلوم ہوئی؟" مین نے کہا "یوسف کے کرتے سے حضرت یعقوب کی آنکھین جاتی رہی تھین۔ اور پھر اُسی کرتے سے وہ اچھی ہو گئین۔" اس جواب کو سری نے بہت ہی پسند کیا۔

اسی طرح ایک اور مرتبہ حضرت سری سقطی کی خدمت مین حاضر ہوئے تو اُن کی حالت نہایت متغیر پائی۔ ادب سے پوچھا "خیریت ہے؟" فرمایا "آج ایک نوعمر شخص میرے

عہ مرآۃ الجنان یافعی۔ عہ رسالہ قشیریہ ۲۰۲۔

پاس آیا۔ اور پوچھنے لگا "توبہ کیا چیز ہے؟ مین نے کہا "توبہ کے یہ معنی ہین کہ انسان اپنے گناہ کو نہ بھولے۔" یہ سُن کے وہ نوجوان بولا "غلط"، مین نے کہا "کیون؟"، بولا توبہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ کو بھول جائے۔" جنید نے یہ گفتگو سن کے کہا "پھر آپ کو تشویش کس بات کی ہے؟ میرے نزدیک تو وہ نوجوان ہی سچ کہتا تھا۔" سری نے کہا "کیونکر"، عرض کیا "اس لیے کہ صفائی کے وقت غبار کا خیال گزرنا بھی غبار ہے۔" یہ ایسا اطمینان بخش فیصلہ تھا کہ سری سقطی نے فوراً قبول کر لیا۔ اور سمجھ گئے کہ بھانجا اُن کے فیض باطنی سے ولایت کے کس درجے پر پہونچ گیا۔

ظاہری اور باطنی ترقیون نے اب حضرت جنید کو اس درجۂ کمال پر پہونچا دیا تھا کہ علوم ظاہریہ مین تو آپ کے مخالف اور دشمن بھی لوہا مانتے تھے۔ اور علوم باطنیہ مین اس مرتبے پر تھے کہ ذرا گردن جھکائی اور مخفی باتون کا انکشاف ہو گیا لیکن وعظ مین زبان نہ کھلتی تھی طبیعت کچھ ایسی مرعوب سی رہا کرتی تھی کہ مجمع عام مین زبان سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ کنج عزلت مین بیٹھتے تو سیر روحانی مین وہان تک پہونچ جاتے کہ ع فرشتہ فرو ماند از سیر او۔ مگر صحبت وعظ گرم کرنے سے گھبراتے۔ سری سقطی بار بار کہتے کہ "لوگون مین بیٹھ کے وعظ کیون نہین کہتے؟"، مگر ہمیشہ اُن کے کہنے کو ٹال دیا کرتے۔ آخر ایک شب عالم رویا مین دیکھا کہ حضرت سرور کائنات صلعم تشریف رکھتے ہین اور حکم دیتے ہین کہ وعظ کہا کرو۔ اب کیا تھا؟ اسی گھڑی سے اُن کی حالت مین ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا صبح ہونے کا بھی انتظار نہ کیا۔ اور رات ہی حضرت سری سقطی کے پاس دوڑے گئے۔ اور دروازے پر دستک دی۔ اُنھون نے دروازہ کھول کے

عہ عوارف المعارف شیخ شہاب الدین السہروردی۔

اندر بلایا تو سامنا ہوتے ہی ساری کیفیت کہہ سنائی۔ اُنھون نے سُن کے فرمایا مین پہلے ہی کہتا تھا۔ مگر تم نے کسی طرح نہ مانا۔ اب خاص حضرت رسالت صلعم کی زبان فیض ترجمان سے سُن کے تو مانو گے؟" کہا "اب کیون نہ ماننے لگا تھا۔"

جناب رسالت کے فیض نے اِدھر تو اُن کا حوصلہ ایسا بڑھا دیا کہ وہ جھجک اور مرعوبیت دل سے جاتی رہی۔ اور بلا لحاظ اِس کے کہ اپنے عجز کا کچھ بھی خیال کرین وعظ کہنے کو تیار ہو گئے۔ اُدھر آپ کے پیرانہ تصرف نے مسلمانون مین یہ عام خیال پھیلا دیا کہ جنید وعظ کہین گے تو بے مثل ولاجواب کہین گے غرض صبح ہی کو جامع مسجد مین جا کے زور و شور سے وعظ کہا۔ اور ایسا بیان کیا کہ تمام سامعین عش عش کر رہے تھے۔ اور زمانہ حیرت مین آگیا۔[ع۵]

لوگون مین اِن کے علم و فضل کی پہلے ہی سے شہرت ہو رہی تھی۔ صرف ان کی کم گوئی اور عجز لسان کی شکایت تھی۔ اب حضرت رسالت کی برکت سے دھڑلے کے ساتھ مجمع عام مین بیٹھ کے وعظ کہا تو سارے بغداد مین دھوم پڑ گئی کہ جنید نے پند و نصائح کا دروازہ کھولا۔ گلی کوچون مین جہان سنیے یہی تذکرہ تھا۔ اس کی شہرت دور دور تک ہوئی تو ایک اجنبی مسیحی نوجوان آپ کے پاس آیا۔ اور پوچھا "اے شیخ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اِس کا کیا مطلب؟" یہ سوال سُن کے جنید نے کچھ دیر تک سر جھکا کے غور کیا۔ اور پھر سر اُٹھا کے کہا "اس کا مطلب بس یہی ہے کہ تم اب مسلمان ہو جاؤ۔" اُس کے سینے مین شمع ہدایت پہلے ہی روشن ہو چکی تھی۔ یہ جواب سنتے ہی اُسے

یث

ع۵ وفیات الاعیان لابن خلکان۔

باور ہو گیا کہ جنید واقعی اللہ جل شانہ کے نور سے دیکھتے ہین۔ اور بلا تامل مسلمان ہو گیا۔[عہ]

اب زمانے مین آپ کے مثل کوئی صاحب باطن صوفی نہ تھا۔ زہد و تقوی ریاضت و عبادت مین یکتائے عصر تھے۔ چنانچہ اُس زمانے کے بعض مشائخ صوفیہ کا بیان تھا کہ کعبی نے جو بڑے مستند ائمہ معتزلہ مین تھے ایک دن مجھ سے کہا "بغداد مین تمھارے ایک شیخ کو مین نے دیکھا جن کا نام جنید ہے۔ اُن کے پاس نثار الفاظ اور اُن کی بندش دیکھنے کو فلسفی اُن کی نکتہ رسی اور نازک خیالی سننے کو شعراء فصاحت و خوش گفتاری کا اندازہ کرنے کو۔ اور کلام والے معانی و مطالب سمجھنے کو حاضر ہوا کرتے ہین۔" رموز معرفت اور مقامات باطنی جاننے کی حیثیت سے اس بلند پایے پر تھے کہ خود مرشد اور شیخ اُن کے مقابل اپنے آپ کو کم پاتے۔ چنانچہ کسی نے ایک دن اتفاقاً سری سقطی سے پوچھا "کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کا رتبہ مرشد کے رتبے سے زیادہ ہو جائے؟ فرمایا "ہان ہو سکتا ہے۔ اس کی یہی شہادت کافی ہے کہ جنید کا درجہ میرے درجے سے بڑھا ہوا ہے۔"[عہ]

آخر حضرت سری سقطی نے اپنے بھانجے اور مرید جنید بغدادی کو اس کمال کے درجے تک پہونچا کے سنہ ۲۵۱ھ مین سفر آخرت کیا۔ اور مقام شونیزیہ مین جس قطعہ زمین کو بغداد مین مشائخ باطن سے خصوصیت تھی دفن ہوے۔[عہ] ہمین یہ نہین معلوم کہ جنید کے والد محمد بن جنید نے کس سن مین انتقال کیا۔ اور کب آپ کو یتیم چھوڑ گئے۔ مگر سچ یہ ہے کہ آپ کو اصلی یتیمی سے اُس وقت سابقہ پڑا جب کہ سری سقطی کا وصال ہوا۔ اس لیے کہ وہ مرشد ہی

عہ طبقات الکبری ع۵ تذکرۃ الاولیا سے وفیات الاعیان لابن خلکان۔ مگر علامہ یافعی مرآۃ الجنان مین سری سقطی کا سال وفات سنہ ۲۵۳ھ بتاتے ہین۔ یعنی اس کے دو سال بعد۔

نہین ماموں بھی تھے۔ اور وہی خاندان مین سب سے زیادہ بڑے اور محترم تھے۔ اور جنید نے تو باپ کے عوض زندگی بھر اُنھین سے سابقہ رکھا تھا۔

گو اب شاید ضرورت نہ ہوگی کہ کسی اور شیخ کی طرف توجہ کرین۔ مگر شوق کی آگ ابھی تک بجھی نہ تھی۔ دیگر مشائخ باطن کی تلاش مین نکلے جن مین سے ایک ابو حفص عمر حدّاد تھے۔ جن کا شمار اُس دور کے مسن رسیدہ اور گران پایہ اولیاء اللہ مین تھا۔ ان بزرگ کا وطن مالوف گرد آباد نام ایک موضع تھا جو اُس سڑک کے کنارے واقع تھا جو نیشاپور سے بخارا کو گئی تھی۔ وہ فرید زمانہ اور یکتائے عصر اہل باطن مین تھے۔ اُن کے سامنے جب کبھی اللہ جل شانہ کا ذکر آتا تو اُن کی حالت یک بیک اس قدر متغیر ہو جاتی کہ تمام حاضرین صحبت کو بھی محسوس ہو جاتا۔ عہ وہ بھی بڑے پابند شرع صوفی تھے اور کہا کرتے کہ "جو شخص اپنے افعال اور حالات کا اندازہ ہر وقت قرآن و حدیث نبوی سے نہین کیا کرتا اور اپنے دل کے جذبات کو ملزم نہین ٹھہراتا اُس کا نام مردون کی فہرست مین نہین ہے"۔ عہ

حضرت جنید کو اُن کی خدمت مین حاضر ہونے کی نوبت نہین آئی بلکہ وہ خود اپنے مریدون اور خادمون کے ساتھ وارد بغداد ہوے اور جنید کو خوش نصیبی سے گھر بیٹھے ایک روحانی خزانہ مل گیا۔ جنید نے جیسے ہی اُن کے وارد بغداد ہونے کی خبر سُنی فوراً اُن کی زیارت کو گئے۔ ملاقات ہوئی تو کیا دیکھتے ہین کہ اُن کے تمام خدام اور مریدین سامنے مودب اور دست بستہ کھڑے ہین۔ اور جو ہے ادب سے سر جھکائے اور مرشد کے حکم پر کان لگائے ہوئے ہے۔ ایک روحانی درسگاہ مین یہ دربار سلطانی کی سی شان دیکھ کے جنید نے کہا "آپ اپنے خدام کو دربار شاہی کے آداب واطوار

عہ طبقات الکبریٰ للشعرانی عہ رسالۂ قشیریہ۔

سکھاتے ہین"۔ ابو حفص نے فرمایا "اے ابو القاسم ایسا نہین ہے۔ مجھے شاہی رعب داب کی ضرورت نہین۔ مگر خوب یاد رکھو کہ ظاہری حُسن ادب باطنی حُسن ادب کا عنوان ہوا کرتا ہے یعنی جسے اس ظاہری دنیا مین آداب کی تعلیم نہین ہوئی وہ وہان بھی آداب کے لوازم نہ بجا لا سکے گا"۔ یہ جواب سُن کے پھر جنید بغدادی کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال سکے۔ عہ سچ یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر امر مین انسان کی نیت اور غرض کو دخل ہے۔ یہی شان و تمکنت کوئی دنیادار اپنے نفس کے موٹا کرنے اور خود نمائی کی شان دکھانے کے لیے کرتا تو انتہا درجے کا نالائق خیال کیا جاتا۔ مگر یہی چیز ایک ولی کامل مین نیک نفسی کی برکت سے شان ولایت بن گئی۔

اب جنید بغدادی نے ان بزرگ شیخ کو کمال عقیدت سے اپنا مہمان کیا اور خود اُن کا اور اُن کے اصحاب و رفقا کی یہ روز طرح طرح کے لذیذ اور پر تکلف کھانے پکواتے اور قسم قسم کے الوان نعمت روزانہ لیجا کے پیش کرتے۔ شیخ ابو حفص نے جب مسلسل کئی دن تک یہ حالت دیکھی تو اسے ناپسند کیا اور فرمایا۔ "میرے ہمراہیون کے صبر کی حالت نامرد لوگون کی سی ہے۔ اور تم یہ نعمتین کھلا کھلا کے اُن کے نفس کو موٹا کیے دیتے ہو۔ سچی مہمان نوازی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ تکلف چھوڑ دو اور جو کچھ حاضر ہو اُسے لا کے پیش کر دو۔ ایسے تکلفات کا انجام اکثر یہ ہوتا ہے کہ میزبان و مہمان مین مفارقت ہو جاتی ہے۔ اور بے تکلفی مین مہمان کا جانا اور رہنا یکسان معلوم ہوتا ہے"۔ عہ

ان چند مذکورہ سابق اساتذۂ روحانی اور شیوخ باطن کے علاوہ جنید کے

عہ عوارف المعارف۔ شہاب الدین سہروردی۔ عہ رسالۂ قشیریہ۔

استادون مین محمد بن علی القصاب اور محمد بن مسروق طوسی کے نام بھی بتائے گئے ہین۔ اس مین کوئی شبہ نہین کہ جنید کو ان بزرگون سے فیض پہونچا۔ مگر افسوس کہ ہمین باوجود جستجوے کثیر اور ورق گردانی کے ان شیوخ کی صحبت فیض مین جنید کے شریک ہونے اور اُن سے برکت حاصل کرنے کا کوئی واقعہ نہین معلوم ہوسکا۔ ان مین سے اول الذکر بزرگ کی نسبت علامۂ ابن اثیر سنہ ۲۷۶ھ کے واقعات مین لکھتے ہین: "اسی سال ابو جعفر محمد بن علی قصاب صوفی نے انتقال فرمایا جو سری سقطی کے معاصرین مین تھے۔ اور جنید بغدادی اکثر اُن کی صحبت مین رہے تھے"۔ اور آخر الذکر کی نسبت علامہ یافعی مرآۃ الجنان مین لکھتے ہین کہ "سنہ ۲۹۸ھ مین (جس سال کہ اُنھون نے خود جنید بغدادی کی وفات لکھی ہے) شیخ عارف محمد بن مسروق طوسی نے انتقال فرمایا جو جنید کے اُستاد تھے"۔ سنین وفات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنید کو ابو حفص عمر حداد کی وفات کے بعد سے ۱۶ برس بعد تک محمد بن علی قصاب سے۔ اور اُن کے بعد آخر عمر تک محمد بن مسروق طوسی سے نفع اُٹھانے اور فیض و برکت حاصل کرنے کا موقع حاصل تھا۔

جنید کے ایک اور شیخ یعقوب زیات کا پتہ ہمین علامۂ ابن جوزی کی تحریر سے لگتا ہے وہ بہ روایت جعفر خلدی خود جنید بغدادی کی زبان سے یہ واقعہ بیان کرتے ہین کہ "مین یعقوب زیات کے دروازے پر گیا۔ اُن کے فیض یابان صحبت کا ایک گروہ دروازے پر کھڑا تھا یعقوب نے اندر سے کہلا بھیجا کیا تم لوگون کے لیے اللہ جل شانہ کا مشغلہ نہین جو اس کا ذکر چھوڑ کے میرے پاس آئے ہو؟ اس کے جواب مین اور کوئی تو کچھ نہین بولا مگر جنید بول اُٹھے "جب ہم لوگون کا آپ کی خدمت مین حاضر ہونا بھی اُسی کے شغل مین داخل ہے تو پھر کیون نہ آئین؟ اب شیخ نے باریابی کا موقع دیا تو

جنید نے جاتے ہی توکل کی بحث چھیڑی یعقوب زیات کے پاس اتفاقاً اُس وقت ایک درہم موجود تھا اُسے نکال کے کسی کونے دیا تو توکل پر بحث شروع کی اور نہایت ہی اچھی گفتگو کی۔ اس کے بعد خود ہی فرمایا "مجھے شرم آئی کہ توکل پر تو گفتگو کرون اور خود میرے پاس کچھ رقم موجود ہو"۵۵

اگرچہ حضرت جنید بغدادی کے دو سو اساتذہ اور شیوخ بتائے گئے ہین مگر اُن مین صرف انھین چند حضرات کے نام معلوم ہوسکتے ہین کیونکہ یہی وہ بزرگ ہین جن کی تعلیم اور جن کے فیض صحبت نے جنید کو سید الطائفہ اور مشائخ صوفیہ کا سرگروہ بنایا۔

آپ کے سفر

مشائخ صوفیہ اور اہل باطن مین دو قسم کے بزرگ ہوتے ہین۔ ایک وہ جو اقطاب و اوتاد کی شان سے ایک ہی جگہ اقامت گزین رہتے ہین! ور دوسرے وہ جو ہمیشہ سفر اور سیاحی مین زندگی بسر کرتے ہین۔ حضرت جنید کا شمار اول درجے کے مشائخ باطن مین تھا۔ اس لیے کہ آپ نے بہت کم سفر کیا۔ یہان تک کہ طلب علم اور تحصیل فیوض باطنی کے لیے بھی آپ کو گھر سے قدم باہر نکالنے کی ضرورت نہین پیش آئی۔ جن استادون کے سامنے فقہ و علوم دینیہ کے لیے زانوے شاگردی تہ کیا خاص وطن مین موجود تھے۔ اور جن بزرگ سے زیادہ تر برکات باطنی حاصل کیے وہ خاص رشتہ دار تھے اور گویا گھر ہی کے اندر موجود تھے۔

خوش نصیبی سے ولادت اور نشو و نما کے لیے آپ کو دار السلام بغداد کا سا شہر

۵۵ تلبیس ابلیس۔ ع۵ رسالہ قشیریہ۔

ملتا تھا جو اُن دنون مرجع انام بنا ہوا تھا اور دنیاے اسلام مین چاہے کوئی کتنا ہی بڑا صاحب کمال ہوتا اس مبارک شہر مین کبھی کبھی اُس کا ضرور گزر ہو جاتا۔ اسی سبب سے آپ کو یہ موقع ہمیشہ حاصل رہا کہ بعوض فیض حاصل کرنے کے لیے کہین باہر جانے کے خود اساتذہ گھر بیٹھے آپ کے پاس آجاتے۔

ہان حج اور دینی ضرورتون سے آپ کو متعدد سفر کرنے پڑے۔ سب کے پہلے سات برس کی عمر مین حضرت سری سقطی آپ کو اپنے ساتھ مقدس ارض حجاز مین لے گئے تھے اور حج سے شرفیاب کرایا تھا۔ جبکہ شکر کی بحث پر آپ نے اپنا مادرزاد مادۂ ولایت ظاہر کر کے اہل اللہ کے ایک مجمع کثیر کو ششدر کر دیا تھا۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ہنوز آپ کی کم عمری کا زمانہ تھا کہ ایک اور مرتبہ حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہان ایام حج مین بہت سے مشائخ اور اہل اللہ کا مجمع ہو گیا۔ جن کی صحبت مین آپ بھی شریک ہوئے۔ شیوخ مین محبت اور عشق الٰہی کا مسئلہ چھڑا۔ سب نے آپ کی طرف مخاطب ہو کے کہا "اے شیخ عراقی۔ اس بارے مین تم ہی کچھ بیان کرو"۔ آپ نے بزرگون کی یہ فرمایش سنتے ہی سر جھکا لیا۔ آنکھون مین آنسو بھر لائے۔ اور کہنا شروع کیا "جو بندہ اپنے نفس سے گزر نیوالا ہے۔ اپنے پروردگار کے ذکر سے قریب ہے اُس کے حقوق ادا کرنے کے لیے مستعد ہے۔ دل کی آنکھون سے اُس کا جمال دیکھ رہا ہے۔ ایسے بندے کا دل اُسکی تجلیون سے جل گیا اور محبت الٰہی کے جام مین بھر کے اُس نے شراب شوق پی۔ تو کیا ہوا کہ وہ خداے جبار اپنے غیب کے پردے اُٹھا کے نمایان ہوا۔ اور بندے کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر کلام کرتا ہے تو اللہ کا۔ زبان سے نکالتا ہے تو لفظ اللہ کا۔ اگر حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے اور اگر ٹھہرتا ہے تو اللہ کے ساتھ۔ خلاصہ یہ کہ اب وہ اللہ سے ہے اللہ کے لیے ہے

اور اللہ ہی کے ساتھ ہے"۔ یہان تک بیان کرنے پائے تھے کہ تمام شیوخ بیتاب ہو کے رونے لگے۔ اور سب نے کہا "اِس سے بڑھ کے محبت کا بیان نہین ہو سکتا۔ اے تاج العارفین خدا آپ کو اِن کمالات مین اور ترقی دے۔"

ایک مرتبہ آپ حج مین تھے۔ اور رات کو تن تنہا طواف کعبہ کو تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ رات کے اندھیرے مین ایک عورت بھی طواف مین مشغول ہے۔ مگر طواف کے ساتھ ساتھ کچھ عاشقانہ اشعار پڑھتی جاتی ہے۔ اُنھون نے قریب جا کے کہا "ایسے مقدس و محترم مقام مین اِس قسم کی ناپاک آرزوئین ظاہر کرتے تجھے شرم نہین آتی؟" اُس نے جذبات عشق کی عذر خواہی مین چند اور اشعار پڑھ کے سنا دیے۔ اور اِن سے پوچھنے لگی "تم خدا کا طواف کرتے ہو یا خانۂ خدا کا؟" انھون نے جواب دیا کہ "خانۂ خدا کا!" یہ سن کے اُس نے ایک عجیب جوش کی وضع سے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھا اور کہنے لگی "سبحان اللہ! تیری مخلوق مین ایسے لوگ بھی ہین جو پتھر کی طرح بے حس ہین۔ اور پتھر کے گرد طواف کرتے ہین!" اُس کی زبان سے یہ الفاظ سن کے جنید پر ایک ایسا وجد کا عالم طاری ہوا کہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو گئے۔ اور جب ہوش آیا تو وہ عورت غائب تھی جس نے اُنھین معرفت و توحید کا بہت ہی موثر سبق دیا تھا۔[عہ]

اسی طرح ایک بار موسم حج مین آپ مکہ معظمہ مین تشریف رکھتے تھے عجمیون اور مولدین[ھہ] کی ایک بڑی بھاری جماعت آپ کو اپنے حلقے مین لیے ہوے تھی: ناگہان ایک شخص پانسو دینار کی تھیلی لیے ہوے آیا۔ اور اُس تھیلی کو آپ کے سامنے رکھ کے عرض کیا۔

ھہ رسالۂ قشیریہ عہ روض الریاحین ھہ جو عرب لوگ ارض عرب کے باہر جا کے رہ پڑتے اور عجمی قومون سے ممزوج ہو جاتے اُن کی اولاد مولد کہلاتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ مولدین عربون کے پورشین تھے۔

"اِس رقم کو آپ فقرا مین تقسیم کر دیجیے"۔ آپ نے پوچھا "تمھارے پاس اور روپیہ بھی ہے؟" عرض کیا "جی ہان خدا کا دیا بہت کچھ ہے"۔ پوچھا "اس کے علاوہ تم اور روپیہ بھی پیدا کرنا چاہتے ہو؟" عرض کیا "جی ہان کیون نہین؟" اُس کی زبان سے یہ جواب سنتے ہی آپ نے فرمایا "تو پھر تم ہی اس رقم کے زیادہ محتاج ہو۔ لیجا کے اپنے ہی پاس رکھو" اور یہ کہ کے وہ ساری رقم اُسے واپس کر دی[عه]۔

شاید اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ کسی عالم یا صوفی نے نہ بتایا ہو گا کہ سچے فیاضی کرنے والی کی نیت کیسی ہونی چاہیے۔ واقعی اُن فقرا اور درویشون کے مقابل مین جو مال دنیا کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہون۔ اور جنھون نے ہوسون کو دل سے نکال کے پھینک دیا ہو وہ اُمرا ہی روپیہ کے زیادہ محتاج ہین جنھین ہر وقت ازدیاد دولت کی ہوس رہا کرتی ہے۔

آپ کا سفر کبھی تو تن تنہا ہوا کرتا تھا اور کبھی معتقدین اور ارباب ذوق کے ساتھ چنانچہ ایک مرتبہ جبکہ آپ بہت سے شیوخ اور خدام کے ساتھ جا رہے تھے راستے مین جبل طور سینا پر گزر ہوا۔ وہان عیسائی راہبون کی ایک خانقاہ تھی جس کے نیچے ایک چشمے کے کنارے آپ اپنے رفقا کے ساتھ ٹھہر گئے۔ ایک قوال نے جو ہمراہ رکاب تھا نغمے گانا شروع کیا۔ صحبت سماع گرم ہوئی۔ اور اہل دل صوفیہ پر بیخودی کی حالت طاری ہوی۔ وجدین آن کے لوگ اُٹھے۔ اور بیتابانہ انداز سے اچھلنے کودنے لگے۔ راہب اپنے دَیر سے اس کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ جب یہ رنگ دیکھا تو اہل صحبت مین سے ایک ایک کو قسم دلا دلا کے اپنے پاس بلانے لگا۔ مگر یہان ذوق بے خودی مین

عــه رسالہ قشیریہ۔

کسے ہوش تھا کہ اس کی طرف توجہ کرتا۔ دیر کے بعد جب صحبت سماع موقوف ہوئی اور سب بزرگ اپنی اپنی جگہ پر قرینے سے بیٹھ لیے تو اُس راہب نے آ کے پوچھا "آپ سب لوگون مین اُستاد اور شیخ کون ہے؟" سب نے جنید کیطرف اشارہ کیا۔ تب وہ جنید کے پاس آیا اور پوچھا "یا شیخ یہ سماع اور یہ حرکات بیتابانہ جن مین ابھی ابھی آپ سب صاحب مشغول تھے آپ ہی کے دین مین ہین یا دیگر مذہبون مین بھی ہین؟"۔ جنید نے کہا "یہ ہمارے ہی ساتھ مخصوص ہین بشرطیکہ زہد و تقویٰ مین فرق نہ پڑنے پائے"۔ اُسے یہ صحبت اس قدر پسند آئی تھی کہ جنید کی زبان سے یہ جواب سنتے ہی کلمۂ شہادت پڑھ کے مسلمان ہو گیا[عه]۔

مگر تنہائی کے سفر اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور معنی خیز ہوا کرتے تھے۔ خود فرماتے ہین کہ ایک بار سفر حج پر جاتے وقت مجھے ریگستان عرب مین ایک ببول کے درخت کے نیچے ایک نوعمر جویاے حق بیٹھا نظر آیا۔ مین نے قریب جا کے پوچھا "یہان کیون بیٹھے ہو؟" کہا "ایک حالت مجھ پر طاری تھی اس جگہ پہونچ کے جاتی رہی۔ اُسی کی تلاش مین بیٹھا ہون"۔ یہ کلمات سُن کے مین نے اُسے وہین چھوڑا اور آگے کی راہ لی۔ بعد فراغت حج واپس آیا تو اُس شخص کو دیکھا کہ اُس پہلی جگہ سے ہٹ کے ذرا فاصلے پر بیٹھا ہے۔ پوچھا "اب یہان کیون بیٹھے ہو؟" بولا "کھوئی ہوئی چیز مجھے اس جگہ مل گئی۔ اس لیے پاؤن توڑ کے یہین ٹھہر گیا"۔ یہ واقعہ بیان کر کے خود ہی فرماتے ہین "مین نہین کہہ سکتا کہ اِن دونون باتون مین سے کون زیادہ اچھی تھی؟ کھوئی ہوئی حالت کی تلاش مین بیٹھنا؟ یا اُس جگہ بیٹھ رہنا جہان گوہر مراد ہاتھ آیا؟"[عه] اس سے پتہ

عــه روض الریاحین۔

عــه رسالہ قشیریہ ۔ ۱۲۴۔

چلتا ہے کہ اُن دونون طالبانِ معرفت کیسی کیسی ریاضتین کرتے تھے؟ اور جس دُھن مین لگے اُس دُھن مین کس قدر محو ہو جاتے تھے؟"

اُنھین سفرون مین سے ایک مین آپ کا گزر کوفہ کی طرف ہوا۔ وہان ایک دن اِدھر اُدھر پھر رہے تھے کہ ایک مکان کے پاس سے گزرے۔ جو کسی بڑے معزز رئیس کا معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اُس کے گرد و پیش عجیب چہل پہل نظر آتی تھی۔ دولت کے طرح طرح کے کرشمے نمایان تھے۔ اور دروازے پر نوکرون اور غلامون کا ہجوم تھا۔ اتنے مین سُنا کہ کوئی خوش گلو عورت ایک جھروکے کے پاس یہ اشعار گا رہی ہے۔

الا یا دارُ لا یدخلک حُزنٌ ولا یعبث باھلک الزمان

اے مکان تجھ مین غم نہ آئے۔ اور تیرے رہنے والون کے ساتھ زمانہ شوخی نہ کرے

فنعم الدار انت لکل ضیفٍ اذا ما الضیف اعوزہ المکان

مہمان جب بے خانمان ہو تو ایسے مہمان کے لیے تو کیا اچھا گھر ہے!

ایک مدت کے بعد اتفاقاً پھر آپ کا ادھر ہی سے گزر ہوا۔ اب جو دیکھتے ہین تو مکان پر تباہی برس رہی ہے۔ در و دیوار پر گُنگی کی سیاہی دوڑ گئی۔ چارون طرف نحوست و ذلت اور غربت و مسکنت چھائی ہوئی ہے۔ اور گویا اس سنسان مکان مین سے ہاتف غیب یہ اشعار پڑھ رہا ہے۔

ذہبت محاسنہا و بان شجونہا والدھر لا یُبقی مکاناً سالما

اس کی خوبیان جاتی رہین اور آلام نمایان ہو گئے اور زمانہ کسی مکان کو صحیح و سالم نہ چھوڑیگا

فاستبدلت من انسہا بتوحشٍ ومن السرور بہا عزاءً و ماتما

یعنی اُس کے اُنس کو وحشت سے بدل دیا۔ اور سرور کے عوض ماتم بپا کر دیا۔

یہ حالت دیکھ کے جنید کا دل نہایت متاثر ہوا۔ پاس پڑوس والون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مالک مکان مر گیا اور ساری رونق اُسی کے ساتھ گئی۔ اب بھی اُنھین چین نہ آیا تو اُس کے دروازے پر جا کے دستک دی۔ ناتوان آواز مین کسی عورت نے پوچھا "کون ہے؟" اُنھون نے قریب بلا کے پوچھا "اس مکان کی وہ آب و تاب یہان کے وہ چاند سورج (معشوق) اور آنے جانے والے کیا ہوئے؟" یہ الفاظ سنتے ہی عورت زار و قطار رونے لگی۔ اور بولی "حضرت وہ سب چیزین عارضی تھین جہان سے آئی تھین وہین گئین۔" جنید نے کہا "جب پہلی مرتبہ میرا اِدھر سے گزر ہوا ہے تو مین نے ایک عورت کو یہ دو شعر گاتے سُنا تھا" اور وہ شعر پڑھ کے سنا دیے۔ ایک آہ کے ساتھ بولی "خدا کی قسم مین ہی وہ عورت ہون۔ اور میری ہی زبان سے آپ نے یہ شعر سُنے تھے۔ سچ یہ ہے کہ جو کوئی دنیا پر گھمنڈ کرے اُس کے حال پر افسوس کرنا چاہیے۔" جنید نے پوچھا "تم پھر تم اس اُجڑے مکان مین کیون پڑی ہو؟" کولی "آپ بھی کتنا بڑا ظلم کرتے ہین! کیا یہ دوستون اور پیارون کا مکان نہ تھا؟ اور اُس اگلی صحبت کی یادگار نہین ہے!" پھر چند شعر پڑھے جن کی جان مندرجۂ ذیل شعر ہے۔

منازل الحب فی قلبی معظمۃ وان خلا من نعیم الوصل منزلہا

میرا دل مقامات محبت کی تعظیم کرتا ہے اگرچہ اُن کے رہنے والے نعمت وصال سے محروم ہو گئے ہین

کہتے ہین کہ جنید کو اُس عورت کی سچی دُھن اور اُس کی محبت کے خلوص و استقلال پر حیرت ہو گئی۔ درحقیقت یہ نہایت ہی عبرت خیز سبق تھا جو حضرت جنید بغدادی کو اس سفر مین ملا۔

ان دنون مسلمانون مین جہاد کا بڑا شوق تھا اگرچہ وہ اگلی خلافت راشدہ اور قرن اول کا سا عروج

۵۰ مرآۃ الجنان یافعی

عہد کی سرگرمی جہاد موقوف ہو گئی تھی مگر پھر بھی موسمی دلچسپیون کے طریقے پر کچھ نہ کچھ سلسلہ ضرور جاری رہا کرتا تھا۔ ایشیائے کوچک کا جو مغربی حصہ اس وقت تک شہنشاہی روم کی قلمرو مین داخل تھا وہی خلفائے بنی عباس کے زمانے مین مسلمانان ایشیا کے جوش جہاد کی جولانگاہ بنا رہا کرتا تھا۔ اور چونکہ جاڑون کے موسم مین وہان برف اور سردی کی وجہ سے سپاہیون کو تکلیف ہوتی تھی اس لیے گرمیون کے موسم مین شوق جہاد تازہ ہو جاتا اور منچلے شرفائے عرب کا ایک فیشن سا قرار پا گیا تھا کہ جس طرح آج کل جاڑون مین یورپ والے ہندستان اور شرقی ممالک کا سفر کرتے یا گرمیون مین ہندستان کے یورپین حکام کوہستانوں کے سرد مقامات کی ہوا کھاتے ہین اسیطرح وہ گرمیون کے موسم مین روم پر جہاد کرنے کی تیاریان کر دیتے تھے اسی سبب ان لڑائیون کا نام ہی عربون مین "صائفہ" (گرمیون کا مشغلہ) ہو گیا تھا۔

امرا کے لیے تو یہ مہمین محض ایک دلچسپ مشغلہ تھین مگر اکثر عبادت گزار بھی محض ثواب آخرت حاصل کرنے اور فرض مذہبی ادا کرنے کے لیے خلوص نیت سے شریک ہو جاتے چنانچہ جنید بغدادی کے دل مین بھی جہاد کا شوق پیدا ہوا۔ اور اسلحہ سے آراستہ ہو کے روانہ ہو گئے۔ سفر جہاد پر تھے کہ امیر جیش نے غریب و محتاج تصور کر کے آپ کے پاس کچھ خرچ بھیجا۔ انھون نے اس رقم کو اپنے صرف مین لانا مناسب نہ جان کے محتاج غازیون مین تقسیم کر دیا۔ پھر ایک دن نماز ظہر کے بعد بیٹھے غور کرنے لگے کہ "اس روپیہ کو اول تو لینا ہی نہ چاہیے تھا۔ اور لیا بھی تھا تو اُسے ان غازیون مین تقسیم نہ کرتا"۔ اسی سوچ مین تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ اور بہت سے عالیشان قصر نظر کے سامنے آ گئے۔ پوچھا "یہ کس کے لیے ہین؟" کہا گیا "ان لوگون کے لیے جن کو تم نے وہ مال تقسیم کیا تھا"۔ پوچھا "میرے لیے بھی کچھ ہے؟" فوراً ایک نہایت عالیشان قصر بتایا گیا۔ پوچھا "مجھے فضیلت کیون دی گئی؟" "جواب ملا" اُن لوگون نے تو مال کو خرچ کیا

اس لیے مستحق ثواب ہوئے۔ اور تم اس لیے کہ اُسے تقسیم کر دیا اور پھر بھی دل مین نادم تھے اُس ندامت نے تمھارا ثواب المضاعف کر دیا"۔[ع]

اس سفر مین آپ کے ہمراہ مریدون مین سے آٹھ شخص تھے سرزمین روم مین پہونچ کے دشمن کے سامنے صف آرا ہوئے۔ اور غنیم کے لشکر سے ایک پہلوان نے نکل کے مقابل طلب کیا۔ جنید کے آٹھون مرید یکے بعد دیگرے اُس کے مقابلے کو گئے۔ اور مارے گئے۔ جنید فرماتے ہین "مین نے اس لڑائی کے وقت ہوا مین نو عماریان معلق دیکھین۔ میرے مریدون مین سے جو مارا جاتا اُس کی روح فوراً اُن مین سے ایک عماری مین چلی جاتی۔ یہان تک کہ آٹھ عماریان بھر گئین صرف ایک باقی رہی۔ اور مین نے دل مین کہا "غالباً یہ میرے واسطے ہے"۔ یہ خیال کر کے مین بھی میدان مین نکلا۔ اور لڑائی کا ارادہ کیا۔ اتنے مین وہ پہلوان سامنے آیا۔ اور کہا "اے ابوالقاسم۔ وہ باقی ماندہ عماری تمھارے لیے نہین میرے لیے ہے۔ تم بغداد واپس جا کے لوگون کو ہدایت کرو اور معرفت کا راستہ بتاؤ لیکن اس سے پہلے مجھ کو ایمان کی تلقین کرو"۔ انھون نے فوراً اُسے کلمہ شہادت پڑھا کے مسلمان کیا۔ اور وہی تلوار کہ جس سے جنید کے آٹھ مریدون کو شہید کر چکا تھا اپنی قوم پر حملہ آور ہوا۔ اور آٹھ دیون کو مار کے شہید ہو گیا"۔ اور جنید نے میدان جنگ چھوڑنے سے پہلے ہی دیکھ لیا کہ اُس باقی ماندہ عماری مین اُس کی روح پہونچی اور وہ سب عماریان غائب ہو گئین۔[ع]

آپ کے ایک سفر کا کچھ تذکرہ سعدی شیرازی نے بوستان مین بھی کیا ہے جس سے آپ کے کمال تزکیۂ نفس کا بھی پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہین: —

شنیدم کہ در دشت صنعا جنید ۔۔۔ سگے دید بر کندہ دندان زصید

[ع] تذکرۃ الاولیا۔

زنیروے سرپنجۂ شیرگیر — فرومانده عاجز چو روباه پیر
چو مسکین و بے طاقتش دید ریش — بدو داد یک نیمه از نان خویش
شنیدم که می گفت خون میگریست — که داند که بهتر ز ما هر دو کیست
بظاهر من امروز ازو بهترم — دگر تا چه راند قضا بر سرم

عام حالات زندگی کرامات اور اوضاع واطوار

آپ اگرچہ اُس عہد کے تمام مشائخ صوفیہ بلکہ امت محمدی کے عام اہل دل لوگون کے سردار اور پیشوا مانے گئے ہین. مگر جیساکہ ہم اس سے پیشتر بیان کر آئے ہین آپ کی وضع ہمیشہ سادی رہی۔ نہ اُس دور کے فقرا کی طرح خرقہ پہنا اور نہ اس عہد کے بعض شیوخ اور اُن کے مریدون کی طرح زرد کپڑے رنگے ہمیشہ علما اور فقہا ہی کی وضع ولباس مین رہے۔ ہاتھ مین اکثر تسبیح رہا کرتی تھی جو اس وقت اسلام کے عباد وزہاد کے لیے ایک نئی مبتدع چیز خیال کی گئی ہم اسلام مین سب کے پہلے جنید[ع] اور اُن کے دوست نوری[ع] کے ہاتھ مین تسبیح دیکھتے ہین۔ بلکہ جنید کے ہاتھ مین تسبیح دیکھ کے ایک دن ایک شخص کہہ بیٹھا کہ "حضرت آپ کے ہاتھ مین اور تسبیح؟" ارشاد ہوا "یہی تو وہ راستہ ہے جس پر گزر کے مین اپنے پروردگار کے پاس پہونچا ہون اسی مین بھی نہ چھوڑون"[ع]۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے فقہا و محدثین کی خلاف صوفیہ نے تسبیح کو ذکر الٰہی کا آلہ بنا لیا تھا اور اس مین کسی مخالفت کی پروا نہ کرتے تھے۔ اور شاید جنید کی صحبت والون مین اس کا چرچا زیادہ تھا۔

عہ مراۃ الجنان یافعی عہ نفحات الانس عہ رسالہ قشیریہ۔

ظاہری اتقا اور پرہیزگاری کے ساتھ نفس کشی کی یہ حالت تھی کہ کبھی نفس کو اُبھرنے کا موقع ہی نہین دیا۔ آپ کے ملنے جُلنے والون مین ایک بزرگ جعفر بن نصیر تھے وہ کہتے ہین کہ ایک دن جنید نے مجھے ایک درہم دیا اور کہا "انجیر وزیری لے آؤ" غالباً اُن دنون یہ انجیر کی کوئی عمدہ قسم تھی۔ خیر مین نے اُن کے ارشاد کے مطابق انجیر لا دیے۔ روزہ افطار کرتے وقت اُن انجیرون مین سے ایک کو اُٹھا کے منہ مین رکھا۔ اور آپ ہی منہ سے نکال کے ڈال دیے۔ پھر آبدیدہ ہو کے کہنے لگے "اُٹھا لیجاؤ" سبب پوچھا تو ارشاد فرمایا "مین نے اس وقت دل مین ہاتف غیب کی یہ آواز سُنی کہ تجھے شرم نہین آتی؟ جس خواہش نفس کو تو نے میرے لیے چھوڑا اُسی مین پھر پھنسا جاتا ہے؟"[ع] اللہ اکبر! نفوس قدسیہ کے لیے کیسی خبرداریان ہین؟ اور اُن کا ضمیر فرشتۂ رحمت بن کے اُنھین کس طرح چونکایا کرتا ہے؟

فرماتے ہین چالیس برس کے زہد وتقوے کے بعد میرے دل مین خیال گزرا کہ اب مین مقصود مین کامیاب ہوگیا۔ یکایک دل کے ہاتف نے آواز دی "جنید۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ تیرے زنّار کا سرا مین تجھے دکھاؤن؟" میری زبان سے نکلا "خداوندا جنید سے کیا خطا ہوئی؟" جواب ملا "اس سے بھی بڑھ کے گناہ چاہتا ہے کہ تو موجود ہے؟" اب مین نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کہا "من لم یکن للوصال اھلا فکل حسناتہ ذنوب" (جو وصل کے قابل نہ ہو اُس کی تمام نیکیان گناہ ہین[ع])۔

ایک اور مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ بہت سے مسلمانون کے ساتھ مسجد شونیزیہ مین بیٹھے ہوئے تھے اور کسی جنازے کے منتظر تھے حاضرین مین ایک فقیر آگیا جس نے دریوزہ گری شروع کی اور ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلانے لگا۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کے

عہ رسالہ قشیریہ۔ عہ تذکرۃ الاولیا۔

آپ کے دل مین خیال گزرا کہ "کاش یہ فقیر جو کچھ مانگنا ہوتا صرف ایک شخص سے مانگ لیتا۔ اور ایک ایک کے آگے جا کے سوال نہ کرتا" خیر اس کے بعد جنازہ آیا۔ اور اُسکی نماز پڑھ کے آپ گھر مین آئے۔ اُسی رات کو پلنگ پر لیٹے اور آنکھ لگی تو کیا دیکھتے ہین کہ ایک لاش سامنے لا کے رکھی گئی اور کہا گیا کہ "اس کا گوشت کھاؤ"۔ اُنھون نے کہا "مین مُردار خوار نہین مُردے کا گوشت کیونکر کھاؤن؟" جواب ملا "جس طرح کل کھایا تھا" یہ الفاظ کان مین پڑتے ہی اُنھین تنبّہ ہوا۔ اور اب جو غور سے دیکھتے ہین تو وہ اُسی فقیر کی لاش ہے جسے مسجد مین دیکھا تھا۔ خیال گزرا کہ یہ تو غیبت کی سزا ہے۔ اور بے شک میرے دل مین اس فقیر کی نسبت بُرا خیال گزرا تھا۔ مگر عذر خواہی کے طور پر بولے "لیکن اس شخص کی غیبت میری زبان سے نہین نکلنے پائی تھی" جواب ملا "یہ صحیح۔ مگر تم اس مرتبے کے شخص ہو کہ تمھارے دل مین اس قسم کا خیال گزرنا بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسا کہ کسی اور کے ارکان و جوارح سے ایسے امور کا ارتکاب ہو" آخر لاجواب ہو کے اُنھون درگاہ رب العزت مین توبہ کی۔ اور ساتھ ہی وہ لاش نظر کے سامنے سے غائب ہو گئی[5]۔

اصل یہ ہے کہ جو لوگ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن مین کمال حاصل کر لیتے ہین۔ اُن کی روحانی حس بڑھ جاتی ہے۔ اور اپنی لغزشون پر اُنھین خود اُن کا کانشنس جسے فرشتہ ہدایت کہنا چاہیے کبھی ہاتف غیب بن کے اور کبھی خوابون کے ذریعہ سے مطلع کر دیا کرتا ہے جس کی وجہ سے اُنھین خود اپنے نفس کا احتساب بڑی سختی سے کرنا پڑتا ہے۔ حضرت جنید کو اس قسم کے خواب بارہا نظر آئے۔ جن کے ذریعہ سے کبھی تو اُنھین اپنی غلطیون پر اطلاع ہوتی تھی جیسا کہ مذکور ہو چکا۔ اور کبھی کوئی بڑا اہم روحانی مسئلہ طے ہو جاتا تھا۔

عہ[illegible] عوارف المعارف۔ شیخ شہاب الدین سہروردی

ایک مرتبہ آپ نے خواب مین شیطان کو برہنہ دیکھا کہا "تجھے لوگون سے شرم نہین آتی جو یون برہنہ مارا مارا پھرتا ہے؟" بولا "یہ لوگ تو آدمی نہین آدمی صرف وہ ہین جو مسجد شونیزیہ مین ہین۔ جنھون نے میرا بدن دُکھا دیا اور میرا کلیجہ جلا کے خاک کر دیا"۔ جنید کہتے ہین آنکھ کھلتے ہی مین نے مسجد شونیزیہ کی راہ لی۔ وہان جا کے دیکھا تو چند لوگ نظر آئے جو سر بزانو استغراق کے عالم مین بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میری صورت دیکھتے ہی اُن لوگون نے کہا "سنتے ہو۔ اُس خبیث کے کہنے مین نہ آنا۔ یہان کچھ بھی نہین"۔

اسی طرح ایک اور مرتبہ شیطان کو خواب مین دیکھا کہ برہنہ بازار مین پھر رہا ہے۔ اور روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ مین ہے جسے کھاتا جاتا ہے۔ اُنھون نے اب بھی وہی کہا کہ "تجھے انسانون کے عام مجمع مین یون ننگا پھرتے شرم نہین آتی؟" اس نے کہا "اے ابوالقاسم بھلا زمین پر اب کوئی ایسا شخص رہ بھی گیا ہے جس سے شرم آئے؟ جن لوگون کے سامنے جاتے شرم آتی تھی وہ سب تہ خاک ہین۔ اور مٹی اُنھین کھا گئی[5]"۔

ایک دن اُنھون نے خواب مین دیکھا کہ وعظ کہہ رہے ہین۔ یکایک ایک فرشتہ قریب آ کے ٹھہرا۔ اور پوچھا "مقربین بارگاہ لم یزلی جن کامون کے ذریعہ سے قربت الٰہی حاصل کرتے ہین اُن سب کامون مین افضل کون سا کام ہے؟" اُنھون نے جواب دیا "وہ عمل جو میزان مین بھی مخفی ہے اور کہنے مین بھی"۔ یہ جواب پا کے وہ فرشتہ یہ کہتا ہوا چلا گیا "خدا کی قسم یہ وہ کلام ہے جو بہ توفیق الٰہی زبان سے نکلا ہے"۔ اسی طرح ایک بار دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اُتر کے آئے۔ جن مین سے ایک نے بڑھ کے سوال کیا "صدق کیا ہے؟" اُنھون نے کہا "عہد کو پورا کرنا"۔ دوسرے نے کہا "سچ ہے"۔ اور دونون اوپر چڑھے چلے گئے۔

عہ[illegible] رسالہ قشیریہ ۱۳۱-۲۲ - عہ طبقات الکبری للشعرانی۔

ایک بار اس سے بھی بڑھ کے خواب مین دیکھا کہ گویا خداوند جل وعلا کے سامنے کھڑے ہین۔ بارگاہ صمدیت کی جانب سے پوچھا گیا "ابوالقاسم یہ باتین جو تم کہا کرتے ہو تمھین کہان سے معلوم ہوئین؟" عرض کیا "مین تو صرف وہی بیان کرتا ہون جو سچ ہوتا ہے" ارشاد ہوا "سچ کہتے ہو" ع۵

آخر الہامی خوابون سے گزر کے آپ کی روحانی قوت اس قدر ترقی کر گئی کہ بعض اوقات ایسے انکشافات ہو جاتے جن کو لوگ کشف و کرامت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین۔ ایک رات کو آپ حسب معمول تہجد پڑھنے کو اُٹھے۔ وضو کیا۔ اور کھڑے ہو کے نیت باندھنے کا ارادہ کیا تھا کہ دل گھبرایا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ کسی حالت پر قرار نہین آتا۔ نہ نماز مین دل لگتا ہے۔ نہ ذکر الٰہی مین۔ ارادہ کیا کہ پھر پڑ کے سو رہین۔ مگر آنکھ بھی نہ لگی۔ گھبرا کے اُٹھ بیٹھے۔ مگر دل کی یہ حالت تھی کہ بیٹھا بھی نہ گیا۔ پریشان تھے کہ کیا کرون۔ اور کون سی بات کرون کہ دل لگے۔ آخر اُٹھ کے ٹہلنے لگے۔ اور جب وحشت بڑھی تو دروازہ کھول کے باہر نکلے کہ دم بھر کھلی اور لطیف فضا مین ٹہلین۔ دروازے سے قدم باہر نکالا ہی تھا کہ دیکھا ایک شخص بیچ راستے مین کملی تانے لیٹا ہوا ہے۔ یہ متحیر تھے کہ اِن کی آہٹ پا کے اُس نے مُنھ کھولا۔ اور فوراً اُٹھ بیٹھا پھر کہا "ابوالقاسم اتنی دیر؟" اُس کی یہ حالت اور بے تکلفی دیکھ کے ان پر بھی کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ بولے "مولنا۔ مجھے کیا خبر تھی؟ کچھ وعدہ تو تھا نہین کہ اُس کی پابندی مجھ پر فرض ہوتی" اُس نے کہا "یہ آپ سچ کہتے ہین مگر مین نے خداوند جل وعلا سے جو دلون کو حرکت دیا کرتا ہے اور مقلب القلوب ہے دعا کی تھی کہ آپ کے دل کو میرے لیے حرکت دے کے میری جانب مائل کر دے" انھون نے کہا "تو خدا نے بے شک میرے دل کو مائل کر دیا اچھا اب یہ ارشاد ہو کہ آپ کیا چاہتے ہین؟" اُس نے کہا "یہ بتایئے

ع۵ رسالہ قشیریہ۔

کہ خود مرض نفس کب نفس دوا بن جاتا ہے؟" انھون نے کہا "جب آپ خواہش کی مخالفت کرین تو اس حالت مین نفس کا مرض ہی دوا بنجاتا ہے" یہ جواب سنتے ہی وہ شخص اپنے دل کیطرف مخاطب ہوا اور کہا "لے سُن لے سات بار مین نے تجھے یہی جواب دیا مگر تو نے نہ مانا ہمیشہ یہی عذر پیش کیا کہ جب تک جنید نہ کہدین نہ مانون گا۔ لے اب تو جنید کی زبان سے بھی سُن لیا۔ اب بھی مانے گا یا نہین؟" یہ الفاظ کہے اور بے کچھ کہے سُنے چلا گیا۔ اور انھین یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ کون تھا اور کہان سے آیا تھا- ع۶

اُن کے اس کشف مین تو ایک صاحب دل بزرگ کے تصرف کو دخل تھا مگر بعض واقعات بتا رہے ہین کہ اس قسم کا تصرف آپ کو بھی حاصل ہو گیا تھا۔ خیر نساج جو ایک بلند پایہ اہل اللہ سری سقطی کے مرید اور آپ کے پیر بھائی تھے۔ کہتے ہین کہ ایک دن مین اپنے گھر کے اندر بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک دل مین خیال پیدا ہوا "جنید دروازے پر کھڑے ہین" مگر بے بنیاد سمجھ کے مینے اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ پھر دوبارہ وہی خیال دل مین آ گیا۔ مین نے پھر ٹالا۔ اور سہ بارہ دل مین یہی بات آ گئی۔ آخر پریشان ہو کے مین گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ تو کیا دیکھتا ہون کہ واقعی دروازے پر جنید کھڑے ہوے ہین اور اسی قدر نہین میری صورت دیکھ کے فرمانے لگے۔ "جب پہلے پہل تمھارے دل مین میرے آنے کا خیال گزرا تھا اُسی وقت باہر کیون نہ چلے آئے؟" اسی طرح کہمش بن الحسین جو ابو محمد کے لقب سے مشہور تھے اور ہمدان مین رہتے تھے کہتے ہین کہ کسی نے ہمدان مین رات کے وقت میرے دروازے پر آ کے دستک دی۔ خودبخود میرے دل مین آئی کہ جنید ہون گے۔ دروازہ کُھلا تو واقعی جنید تھے۔ سلام کیا۔ گرمجوشی سے ملے۔ اور کہا "خاص تم سے ملنے کو بغداد سے آیا ہون" تھوڑی دیر کے بعد وہ چلے گئے۔ دوسرے دن مین نے تلاش

ع۵ عوارف المعارف۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ع۶ رسالہ قشیریہ ۱۴۲۔

کرایا تو کہین پتہ نہ تھا۔ بغداد کے آئے ہوئے قافلے والون سے جا کے پوچھا تو اُنھون نے بھی بالکل لاعلمی ظاہر کی[٥٦]۔

سچ پوچھیے تو حضرت جنید کا یہ تصرف اُن بزرگ کے تصرف سے بڑھا ہوا تھا جنھون نے جنید کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ اُن کی کشش نے دل مین صرف ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا کی تھی۔ اور یہ روحانی قوت سے دور تک پہونچ گئے اور بے بلائے لوگون کے دل پر نقش کر دیا کہ جنید آئے ہین۔

اِن کمالات نے آپ کو بڑے بڑے صاحب کمال اہل باطن کا مرجع بنا دیا تھا جن بزرگون کا بغداد کیطرف سے گزر ہوتا آپ کی خدمت مین ضرور حاضر ہوتے۔ بلکہ اس حضوری کو منجملہ ادائے حج خیال کرتے۔ اور جو لوگ اس مین کسی قسم کی کوتاہی کرتے وہ آپ کے تصرف اور کشف سے نادم ہو کے دوبارہ ادب سے سامنے آ کے سر جھکاتے۔"

ابو عبداللہ عفیف کہتے ہین "مین حج کے لیے جا رہا تھا کہ راستے مین بغداد پڑا۔ اتفاقاً میرے سر مین اپنی صوفیت کا غرور تھا اور اپنی حالت پر نازان تھا۔ یہان آ کے ریاضت مین مشغول ہو گیا۔ چالیس دن تک نہ روٹی کھائی اور نہ جنید کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اُن دنون میرا یہ معمول تھا کہ طہارت وغیرہ تو شہر کے اندر کرتا۔ مگر پینے کے لیے ہر روز شہر کے باہر جا کے کسی پاک چشمے سے پانی لے آتا ایک دن پیاسا چلا جاتا تھا کہ ایک ہرن کو دیکھا کنوین کی جگت پر آ کے پانی پی رہا ہے۔ مین ڈول لیے ہوئے قریب پہونچا تو ہرن بھاگ گیا اور اب جو دیکھتا ہون تو پانی بہت دُور اور گہرے مین ہے۔ مایوس و ناکام پلٹا اور کہا بارالٰہا کیا میرا مرتبہ اس ہرن سے بھی کم ہے؟ ناگہان ہاتف کی آواز سنی کہ "ہم نے تجھے آزمایا اور پورا نہ پایا۔ خیر جا اور پانی لے۔" مین دوبارہ کنوین پر گیا تو پانی چھلک رہا تھا۔ فوراً اپنا ڈول بھر لیا۔ اور شہر کی راہ لی۔ یہ پانی آخر تک رہا جسے مین روز پیا کرتا

٥٦ نفحات الانس مولانا جامی۔

تھا۔ اور جس وقت اُسے پیا ہے غیب کی آواز سنی کہ "ہرن بغیر ڈول کے آیا تھا اور تو ڈول لے کے۔" ان واقعات کے بعد جب حج سے پلٹ کے آیا تو جامع مسجد مین گیا۔ وہان اتفاقاً جنید کا سامنا ہو گیا دیکھتے ہی بولے "اگر تم صبر کرتے تو خود تمھارے پاؤن کے نیچے سے چشمہ جاری ہو جاتا۔ کاش ایک گھڑی صبر کیا ہوتا۔"[٥٧]

بعض اوقات انھین تصرفات کے سلسلے مین آپ کے ہاتھ سے اکثر انتظامات باطنی بھی اجرا پاتے۔ ایک دن جامع مسجد مین بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا۔ اور دو رکعتین پڑھین۔ پھر مسجد کے ایک کونے مین جا کے آپ کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ اور کہا اللہ جل شانہ اور احباب سے ملنے کا وقت آ گیا لیکن سُن لو میری تجہیز و تکفین سے جب فراغت ہو لے گی اُسی وقت ایک نوعمر مغنی تمھارے پاس آئے گا اُسے میرا یہ خرقہ۔ میری یہ جریب۔ اور میرا یہ مشکیزہ دیدینا۔" مین نے متحیر ہو کے پوچھا "مغنی کو؟" جواب دیا "ہان اللہ تعالیٰ نے اُسی کو یہ رتبہ عطا فرمایا ہے۔" اس کے بعد اُس شخص کا انتقال ہو گیا۔ اور تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی ہی تھی کہ ایک مصری نوجوان نے آ کے کہا "ابوالقاسم میری امانت دلوائیے۔" انھون نے پوچھا "تمھین کیونکر خبر ہوئی؟" اُس نے کہا "مین فلان فلان لوگون کی صحبت مین تھا کہ منادی غیب نے حکم دیا جنید کے پاس جاؤ اور یہ چیزین اُن سے لو۔ کیونکہ فلان شخص کی جگہ پر تم ابدال مقرر کیے گئے ہو۔" یہ سُن کے جنید نے وہ سب چیزین اُس کے حوالے کر دین۔ اُس نے فوراً غسل کر کے خرقہ پہنا اور راہ شام کی راہ لی[٥٨]۔

اکثر عام حاجتمند اپنی ضرورتین لے کے آیا کرتے تھے۔ اور آپ اُن کی نیت و حالت کا اندازہ کر کے ایسا اچھا اور سچا جواب دیتے کہ دیکھنے والون کو حیرت ہو جاتی۔ اور لوگون کے خلوص مین آپ کا باطنی تصرف اثر اور برکت پیدا کر دیتا۔

٥٧ رسالہ قشیریہ۔ ٥٨ روض الریاحین۔

ابو عبد اللہ مکانسی نام اُسی عہد کے ایک بزرگ جو آپ کی بارگاہ فیض سے نفع اُٹھانیوالون مین تھے بیان کرتے ہین "مین جنید کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک عورت اُن کی خدمت مین حاضر ہوئی اور عرض کیا میرا بیٹا کھو گیا ہے دعا فرمائیے کہ مل جائے آپ نے فرمایا "جا صبر کر" وہ چلی گئی مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر آئی اور وہی پہلا سوال کیا اور آپ نے بھی وہی پہلا جواب دوبارہ دیدیا کہ "جا صبر کر" وہ پھر چلی گئی۔ مگر دل کی بیتابی نے اُس کی یہ حالت کر رکھی تھی کہ بار بار آتی اور عرض کرتی کہ "دعا کیجیے" اور آپ صبر کی ہدایت کرتے۔ آخر مجبور ہو کے اُس نے کہا "اب مجھ مین صبر کی طاقت نہین دعا کیجیے کہ مل جائے" تب آپ نے فرمایا "اگر ایسا ہی ہے کہ تو صبر نہین کر سکتی اور اپنے اس قول مین سچی ہے تو جا تیرا بیٹا آ گیا" وہ گئی اور تھوڑی دیر مین آ کے آپ کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ یہ دیکھ کے لوگون کو بہت حیرت ہوئی بعض نے پوچھا کہ "آپ کو اس کے بیٹے کے آنے کی کیونکر خبر ہو گئی؟" ارشاد ہوا "خداوند جل وعلا نے نہین ارشاد فرمایا کہ اَمَّن یُجِیبُ المُضطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکشِفُ السُّوءَ[ع۵] یعنی جب اس عورت مین ضبط و صبر کی تاب نہین رہی تھی تو پھر کیا وجہ تھی کہ وہ مضطر ہوتی اور خدا اُس کی دعا نہ قبول کرتا؟"

صرف یہی نہ تھا کہ خلوص کو دیکھ کے آپ دوسرون ہی کی دعا کے موثر و غیر موثر ہونے کا اندازہ کر لیا کرتے تھے بلکہ خود آپ کی ذات مین بھی انتہا درجہ کا خلوص تھا۔ اور وہ ایسی ہی برکتین ظاہر کیا کرتا۔ ایک بار آپ کی آنکھین دُکھنے کو آئین۔ ایک عیسائی طبیب سے رجوع کیا۔ اُس نے کہا "پانی سے بچائیے" پوچھا تو "مین وضو کسطرح کرون؟" اُس نے کہا "اگر آنکھین رکھنی ہین تو پانی نہ لگنے پائے ورنہ آپ مختار ہین" طبیب کے جانے کے بعد آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور تکیہ پہ سر رکھ کے سو رہے۔ جب اُٹھے تو آنکھین اچھی تھین۔ طبیب نے جب یہ کیفیت دیکھی تو کہا

ع۵ رسالۂ قشیریہ۔

یہ "مخلوق کا نہین خالق کا علاج ہے" اور مسلمان ہو گیا۔[ع۶]

ابو عمر زجاجی نام ایک شخص جنھون نے حضرت جنید سے فیض صحبت اُٹھایا تھا عازم حج ہوئے تو رخصت ہونے کے لیے آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ آپ نے رخصت کرتے وقت ایک درہم عطا کیا جو نہایت ہی پاک و صاف یعنی بالکل حق حلال کا تھا۔ اور فرمایا "اُسے اپنے پاس رکھنا" اُنھون نے اُسے لے کے کمر مین باندھ لیا۔ اور سفر پر چل کھڑے ہوئے راستے مین جہان گزر ہوا لوگون نے آنکھون پہ بٹھایا۔ اور ایسی مہمان نوازی کی کہ پورا سفر کر کے اور حج سے فارغ ہو کے واپس آ گئے۔ اور اس درہم کو خرچ کرنے کی ضرورت نہ پیش آئی۔ بعد واپسی جب جنید کی خدمت مین حاضر ہوئے تو اُنھون نے ہاتھ بڑھا کے کہا "لے لاؤ میرا وہ درہم مجھے پھیر دو" اُنھون نے بلا تامل نکال کے دیدیا۔ اور خوش خوش اپنے گھر چلے گئے۔

روحانی قوت نے ترقی کر کے آپ مین ایسا کمال پیدا کر دیا تھا کہ بعض وقت غیظ و غضب مین جلال کی شان پیدا ہو جاتی۔ ایک مرتبہ دربار خلافت مین لوگون نے جنید کی شکایت کہ "ان لوگون کے اوضاع و اطوار سے خلقت خدا فتنہ و فساد مین پڑی جاتی ہے۔ اور اگر ابھی سے کوئی انسداد نہ کیا گیا تو اسلام کو بڑا بھاری ضرر پہونچ جائے گا" خلیفہ نے کہا یہ سب صحیح۔ مگر جنید کو ان امور سے بغیر کسی حجت اور بنیاد کے کیونکر روکا جا سکتا ہے؟ ان سے کسی قسم کی بھی لغزش ہو تو بازپرس کی جائے" آخر آپ کا زہد و ورع مٹانے کے لیے ایک ملائک فریب حور سیما اور نازنین لونڈی بھیجی گئی جس نے جنید کی خدمت مین حاضر ہو کے کہا "مجھے اپنی صحبت مین رہنے کی اجازت دیجیے۔ تاکہ

ع۶ تذکرۃ الاولیا۔ ع۷ رسالۂ قشیریہ۔

شب و روز آپ کی خدمت مین رہ کے عبادت آلہی کیا کرون۔" اُس کی ان فریب کی باتون کو آپ سر جھکائے سنتے رہے۔ جب وہ معشوقہ گفتگو کر کے خاموش ہوئی تو آپ نے سر اُٹھایا اور مضطربانہ حیثیت سے آہ آہ کر کے اُس پر پھونک ڈالی۔ آپ کی سانس کی ہوا لگتے ہی وہ مہ جبین غش کھا کے گری۔ اور اُسی جگہ تڑپ کے مر گئی۔ جب یہ کیفیت خلیفہ کے گوش گزار ہوئی تو بہت گھبرایا۔ اور خود آپ کی خدمت بابرکت مین حاضر ہو کے عرض کیا "آپ نے قیامت کی کہ ایسی محبوبہ پری تمثال کو مار ڈالا؟ اُس پر آپ کو ترس بھی نہ آیا؟" جنید نے جواب دیا "امیر المومنین مومنون کے حال پر ایسی بے رحمی نہ کرنی چاہیے آپ نے کوشش کی تھی کہ میری چالیس برس کی ریاضتین اور نفس کُشیان ایک آن واحد مین مٹا دین؟ رہی اُس کی زندگی و موت تو یہ خدا کا کام تھا۔"[عہ]

ایک دن آپ مسجد شونیزیہ مین تشریف لے گئے۔ وہان بہت سے فقرا کا مجمع تھا۔ اور آیات قرآنی کے متعلق بحث ہو رہی تھی۔ آپ بھی اس صحبت مین شریک ہو گئے۔ بیٹھے ہی تھے کہ ایک درویش نے کہا "مین ایک ایسے شخص کو جانتا ہون کہ اگر اس ستون سے کہہ دے کہ آدھا سونے کا ہو جا اور آدھا چاندی کا تو اُسی وقت ہو جائے۔" جنید کہتے ہین "اُس کا یہ دعوی سُن کے مین نے اُس ستون کی طرف جو نظر اُٹھائی تو کیا دیکھتا ہون کہ واقعی وہ ستون آدھا سونے کا اور آدھا چاندی کا ہے۔"[عہ]

ان روحانی قوتون کے علاوہ انسانی اخلاق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی آپ کا پایہ بہت اعلیٰ نظر آتا ہے۔ آپ کو کسی کے ہاتھ سے چاہے کیسا ہی صدمہ یا نقصان پہونچے آپ انتقام کی کوشش نہین فرماتے تھے۔ اور درحقیقت نفس کے

عہ تذکرۃ الاولیا۔ عہ رسالہ قشیریہ۔

قابو مین ہونے کی سچی کسوٹی یہی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک چور آپ کے گھر مین گھسا۔ یہان کیا رکھا تھا؟ سوا پیراہن کے جسے عالمانہ وضع کے بنا ہنے کے لیے آپ پہنا کرتے تھے اُسے کوئی چیز نہ نظر آئی۔ اُسی پیراہن کو لے کے چلا گیا۔ دوسرے روز جنید بازار مین جا رہے تھے۔ اپنے اُس پیراہن کو دیکھا کہ دلال کے ہاتھ مین ہے اور چور پاس کھڑا ہے۔ اتنے مین کسی خریدار نے آ کے اُسے دیکھا پسند کیا۔ اور کہا "لیکن کسی ایسے شخص کو لاؤ جو گواہی دے کہ یہ مال تمہارا ہی ہے۔" حضرت جنید یہ کلمہ سنتے ہی بڑھ کے اُس کے سامنے گئے۔ اور کہا "مین خوب واقف ہون کہ یہ اسی کا مال ہے۔" جب ان کے ایسے محترم اور راست باز شخص نے گواہی دیدی تو پھر اُسے لینے مین کیا تامل ہو سکتا تھا؟ بے تکلف خرید لیا۔ اور آپ اپنے گھر واپس آئے۔ سچ یہ ہے کہ یہ بے نفسی سو کرامتون سے بڑھی ہوئی کرامت ہے۔

اب آپ کی شہرت بغداد مین صرف آپ ہی کے زہد و اتقا اور ذاتی کرامت و خوارق عادات کے لحاظ سے نہ تھی بلکہ یہ بھی مشہور تھا کہ جیسے نیک نفس و نکوکار اور متقی و پرہیزگار اہل باطن آپ کی صحبت فیض مین ملتے ہین کہین نہین ملتے۔ اکثر لوگون کا معمول تھا کہ جب کوئی روحانی برکت یا دینی منفعت حاصل کرنا چاہے تو آپ کی خدمت مین حاضر ہو کے خود آپ کو یا آپ کی صحبت کے کسی بزرگ کو اپنے گھر لیجاتے۔ اور حصول برکت کے امیدوار ہوتے مگر ایسے مواقع پر اس امر کا آپ بہت لحاظ رکھتے کہ کسی درویش کی دنیاداروں کی نظر مین بے وقعتی اور سُبکی نہ ہونے پائے۔ اگر اُن کے طرز عمل پر کوئی اعتراض کرتا تو آپ نہایت ہی شافی اطمینان بخش جواب دے دیا کرتے

عہ تذکرۃ الاولیا۔

لوگوں نے ایک دن پوچھا "آپ کے رفقا کھاتے کیوں بہت ہیں؟" فرمایا "اس لیے کہ وہ بھوکے بہت رہتے ہیں۔" پوچھا "اچھا شہوانی قوت کا اُن پر غلبہ کیوں نہیں ہوتا؟" فرمایا "اس لیے کہ اُن میں سے کسی نے زنا کا مزہ چکھا ہی نہیں۔ اور صرف لقمۂ حلال کھایا کرتے ہیں۔" پوچھا "اور اُنھیں قرآن سُن کے حال نہیں آتا؟" فرمایا "قرآن میں حال لانے والی چیز ہی کون سی ہے؟ وہ حق ہے۔ اور اُس ذاتِ برحق کے پاس سے نازل ہوا ہے جس کے لیے مخلوق کی کوئی صفت شایاں نہیں۔" پوچھا "تو پھر قصیدوں شعروں اور گیتوں پر اُنھیں کیوں حال آتا ہے؟" ارشاد ہوا "اس لیے کہ یہ خود اُن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ اور محبت رکھنے والوں کا کلام ہے۔" پوچھا "اچھا جس قسم کا سامان دنیوی اور لوگوں کے پاس ہوا کرتا ہے اُن کے پاس کیوں نہیں ہوتا؟" فرمایا "اس لیے کہ اللہ جل شانہ نہیں پسند کرتا کہ جو چیزیں اور لوگوں کے پاس ہیں اُن کے پاس بھی ہوں تاکہ وہ خدا کو چھوڑ کے مخلوق کی طرف توجہ نہ کریں۔"[عہ]

اُن سوالوں اور جوابوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی صحبت ذوق میں کس رتبے اور کس برکت کے لوگ رہا کرتے تھے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ لوگ اُن سے نفع نہ اُٹھاتے؟ اور کیا وجہ تھی کہ آپ ہر موقع و محل پر اُن کے حفظ مراتب کی کوشش نہ فرماتے؟"

ایک جمعہ کو ایک عابد و زاہد آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا "اپنی صحبت کے فقرا میں سے کسی کو میرے ہمراہ کر دیجیے کہ اُسے اپنے گھر لیجا کے

عہ طبقات الکبری۔ للشعرانی۔

کھانا کھلاؤں۔ اور اُس کی صحبت سے فائدہ اٹھاؤں۔" آپ نے اُدھر اُدھر نظر دوڑائی اور ایک شخص کیطرف جس کی صورت سے فاقہ زدگی کے آثار نمایاں تھے اشارہ کر کے فرمایا "انھیں لے جاؤ۔" اور خود ہی اُس درویش سے کہا "آپ ان کے ساتھ جائیے۔ اور اپنی صحبت سے اُنھیں فائدہ پہونچائیے۔" وہ آپ کے ارشاد کے مطابق اُس شخص کے ساتھ چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ شخص جو اس درویش کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا پھر حاضر ہوا۔ اور عرض کیا "یا حضرت۔ اُس درویش نے صرف ایک لقمہ کھایا۔ اور بے کچھ کہے سُنے اُٹھ کے چلا آیا۔" آپ نے فرمایا "غالبًا تم نے کوئی ناگوار کلمہ زبان سے نکالا ہو گا۔" عرض کیا "میں نے تو کچھ نہیں کہا۔"

یہ سُن کے آپ نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ صحبت میں وہ درویش بھی خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ اُس سے کیفیت دریافت کی تو اُس نے کہا "حضرت سینے۔ میں بھوکا اور فاقہ زدہ کوفے سے بغداد میں آیا ہوں۔ مگر غیرت اس کی متقاضی نہ ہوئی کہ آپ کے سامنے کوئی کلمہ زبان سے نکالوں۔ اتفاقًا آپ نے خود ہی بغیر میری درخواست کے مجھے اس شخص کے ساتھ جانے کے لیے بلایا تو میں دل میں خوش ہوا۔ اور بے عذر ساتھ چلا گیا۔ اس کے گھر میں جا کے جب دسترخوان پر بیٹھا تو اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ بنا کے دیا اور کہا کھاؤ۔ یہ لقمہ مجھے دس ہزار درہم سے بھی زیادہ عزیز ہے اس کی زبان سے یہ الفاظ سُن کے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ دنی الطبع شخص ہے۔ فورًا کھانے سے دست بردار ہو گیا۔ اور اُٹھ کے چلا آیا۔" یہ سن کے آپ نے اس مہماندار سے کہا "میں نہ کہتا تھا کہ تم نے کوئی نہ کوئی بے ادبی کی ہو گی۔" پھر آپ نے اُسی درویش کو دوبارہ جانے پر راضی کر دیا۔ اور اُس نے اب کی مرتبہ لے جا کے اُسے ادب سے

کھانا کھلایا۔[عہ۵]

ان صحبتوں اِن ریاضتوں اور اِن محویتوں نے یہ حالت کر دی تھی کہ ایک دِن خود ہی کہہ اُٹھے "مین نے دس برس تک دل کے دروازے کی چوکھٹ پہ بیٹھ کے دل کی حفاظت کی۔ پھر دس برس تک یہ دل میری نگہبانی کرتا رہا۔ اب بیس برس ہو گئے کہ نہ مین دل کی خبر رکھتا ہون اور نہ دل میری خبر رکھتا ہے۔ اس حالت کو تیس سال گزر گئے کہ حق تعالیٰ جنید کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اور جنید درمیان مین نہین۔ مگر خلقت کو اس کی خبر نہین۔[عہ۶]

اس محویت و خود فراموشی کے صلے مین اللہ جل شانہ نے آپ کو مقبولیت بھی ایسی عطا فرمائی تھی کہ شاید کسی کو کم نصیب ہوئی ہو گی جس طرح علم حدیث کے طلبہ اُن دنون علماے حدیث کی درس گاہون مین دُور دُور سے آ کے جمع ہوتے اور اُن کے حلقۂ درس سے فیض یاب ہوتے تھے اُسی طرح آپ ساری دنیا کے متصوفین اور اساتذۂ باطن کے مرجع و ماوی بنے ہوے تھے۔ اور بڑے بڑے پاک باطن اہل دل آپ کے حلقۂ ذوق مین شریک ہو کے آپ کی شمع معرفت سے اپنے سینے کے چراغ روشن کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ صوفیہ کے ایک گروہ نے آپ کی صحبت فیض مین حاضر ہو کے پوچھا "ہم اگر طلب رزق کی کوشش کرین تو کیسا؟"، فرمایا "اگر یہ خیال ہو کہ وہ رزاق عالم تمھین بھول گیا ہے تو ضرور کوشش کرو۔" ان لوگون نے عرض کیا۔ "تو کیا آپ کا یہ مقصد ہے کہ ہم توکل اختیار کر کے گھر مین بیٹھ رہین؟ اور

عہ۵ رسالۂ قشیریہ - ۱۶۹ عہ۶ تذکرۃ الاولیاء۔

ہاتھ پاؤن نہ ہلائین؟"، فرمایا "ہرگز نہین۔ یہ کون کہتا ہے کہ تم اپنے توکل سے خدا کا امتحان لو؟ کیونکہ اس طرح ہاتھ پاؤن توڑ کے بیٹھنے کا مطلب یہی ہوا کہ گویا تم خدا کا امتحان لے رہے ہو۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس سے سواے محرومی قسمت کے تمھین کچھ نفع نہ حاصل ہو گا۔" اُن لوگون نے عرض کیا "تو پھر آخر کیا کرین؟ نہ آپ طلب رزق کی اجازت دیتے ہین اور نہ متوکل ہو کے بیٹھ رہنے کی۔" فرمایا "بس یہی کرو کہ تدبیر کو چھوڑ دو۔"[عہ۵]

مسلمانون کو خاصۃً ان دنون جس قدر اس مسئلہ کے سمجھنے کی ضرورت ہے کسی چیز کی نہین۔ اس لیے کہ تدبیر و تقدیر کے پیچیدہ مسئلے نے عام مسلمانون کو غلطیون مین مبتلا کر کے گمراہ کر دیا ہے۔ ایک طرف تقدیر کے ماننے والے ہین جنھون نے محنت و مشقت کو بے نتیجہ بتا کے عقیدۂ جبر اختیار کر لیا ہے۔ اور سارے مسلمانون کو کاہل اور ناکارہ بحت بنا دینا چاہتے ہین۔ دوسری طرف اُن کی ضد پر انگریزی دانون کا نیا گروہ ہے جو روز بروز تقدیر الٰہی سے انکار کرتا جاتا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ دونون گمراہ ہین کیونکہ پہلا فریق خدا کو ملزم بناے دیتا ہے اور دوسرا اُس کی خدائی اور قدرت و قوت مین بٹہ لگا رہا ہے۔ یہ دونون گروہ اگر حضرت جنید کے اس فیصلہ کو غور سے دیکھین اور سمجھین تو پوری طرح اطمینان ہو جائے۔ تقدیر سے انکار کرنے کے معنی اصل مین خدا سے انکار کرنے کے ہین۔ اس لیے کہ مذہب اسلام جس خدا کی تلقین کرتا ہے وہ قادر مطلق توانا اور ہر چیز پہ حاکم و متصرف ہے اور ایسے ہی خدا کی ہر مذہب کو ضرورت ہے۔ اگر ہم نے ایک براے نام خدا تو مان لیا مگر وہ ایسا خدا ہوا جو اپنے افعال و حرکات پہ قابو نہین رکھتا۔ ہر چیز اُس سے اضطراری طریقے سے بے ارادہ

عہ۵ عوارف المعارف۔ شیخ شہاب الدین سہروردی

و مشیت صادر ہو جاتی ہے اور وہ دنیا پر قادر و متصرف نہیں تو ایسے خدا کے ماننے سے نہ ماننا ہی اچھا۔ کیونکہ ایسے خدا سے ہم نہ کوئی اخلاقی نفع اُٹھا سکتے ہیں نہ روحانی نہ وہ دنیا کے کام کا ہے نہ عقبیٰ کے کام کا۔ لہٰذا اگر خدا کو ماننا ہے تو قادر و توانا خدا ماننا چاہیے۔ اور اگر ایسا کوئی خدا اس عالم پر متصرف ہے تو یقین کر لینا چاہیے کہ تقدیر بھی ضرور ہے۔ لیکن اُس تقدیر کا یہ منشا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ کہ ہم پست ہمتی اور کاہلی کے شکار بن جائیں۔ ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ رہیں۔ اور منتظر ہوں کہ وہ چھپر پھاڑ کے دیگا۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابۂ کرام بارگاہ نبوت میں حاضر رہنے کے سوا کسی کام اور کسی پیشہ میں مشغول نہ ہوتے۔ نہ جہاد کرتے نہ زکوۃ دیتے۔ اور نہ حج کرتے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ عبادت الٰہی بھی نہ کرتے۔ اور کوئی نماز پڑھنے کو کہتا تو جواب دیتے کہ "اگر قسمت میں نجات ہے تو ہو ہی جائے گی۔ اس بیکار و بے نتیجہ زحمت و مشقت کی کیا ضرورت ہے؟" اصل حقیقت یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھو تو کیش و مذہب بھی صرف تدبیر کا نام ہے۔ فرق ہے تو اس قدر کہ یہ تدبیر دنیا کے لیے نہیں بلکہ دین کے لیے ہے۔ مگر ہے تدبیر ہی۔

مذہبی شان سے سچائی کے ساتھ اس مسئلے کی حقیقت یہ ہے کہ تقدیر نام ہے ترک تدبیر یعنی تدبیر پر بھروسا نہ کرنے کا۔ اور تدبیر نام ہے اپنی کوششوں اور عبادتوں کو زہد و تقوے کے ساتھ خدا کے سامنے پیش کرنے کا۔ اسی بات کو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ ظاہر فرما دیا۔ نہ تو اس توکل کو پسند فرمایا جس کے ذریعے سے خدا کا امتحان لیا جائے اور نہ اُس تدبیر کو جائز رکھا جس پر خدا کی طرف سے بے پروا ہو کے بھروسا کر لیا جائے۔

لیکن باوجود اس مرجعیت عامہ کے اخلاق و عادات میں کبھی فرق نہ آتا تھا۔ ابو محمد حریری حج سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے آپ کے سلام کو حاضر ہوئے۔ اور دل میں کہا کہ پہلے جنید کی زیارت کر لوں پھر کوئی اور کام کروں گا۔ اس میں یہ بھی خیال تھا کہ میرے آنے کی خبر سُن کے خود انھیں آنے کی زحمت کرنا پڑے گی لہٰذا میرے پہلے ہی پہونچ جانے سے وہ اس زحمت سے بچ جائیں گے۔ غرض اُن سے ملے۔ اور رخصت ہو کے اپنے گھر آئے۔ دوسرے دن کیا دیکھتے ہیں کہ جنید ملنے کو چلے آتے ہیں۔ ادب سے عرض کیا "حضرت آپ نے کیوں تکلیف کی؟ اسی خیال سے تو میں پہلے حاضر ہوا تھا کہ آپ کو نہ تکلیف کرنی پڑے۔" فرمایا "ابو محمد آنے میں سبقت کرنا یہ تمھارا فعل تھا اور تمھاری شرافت نفس اس سے ظاہر ہوئی۔ مگر یہ میرا آنا میرا فعل ہے اور تمھارے اُس (اخلاقی) حق کا ادا کرنا ہے جو مجھ پر واجب ہے۔ تمھارے چلے آنے سے یہ حق مجھ پر سے ساقط نہیں ہو گیا تھا۔"[عہ]

اخلاقی

جنید ارباب دل اور ہم مذاق صاحبان معرفت کی صحبت میں آپ کو ہمیشہ دلچسپی ہی نہ تھی بلکہ اُسے منجملہ ضروریات خیال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اہل اللہ کے ملنے جلنے کی ضرورت کو آپ ان دلچسپ اور منکسرانہ الفاظ میں اپنے اہل ذوق دوستوں پر ظاہر فرمایا کرتے تھے "اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میری دو رکعتیں زیادہ ہیں تو پھر تم سے ملنے اور تمھاری صحبت میں بیٹھنے کو نہ آتا۔"

لیکن اہل حق کی صحبت سے جتنا ذوق تھا اُتنی ہی ناجنس اور خلاف مذاق لوگوں کی صحبت سے وحشت ہوتی تھی۔ اور پسند نہ کرتے تھے کہ ایسے بے حس

۵ع رسالہ قشیریہ۔ عہ عوارف المعارف۔ شہاب الدین سہروردی۔

لوگون کو اپنی صحبت مین شریک کرین۔ ایک دعوت مین عجیب واقعہ پیش آیا کسی ہم مذاق نے دعوت کی تھی۔ اور مختلف لوگ شریک تھے۔ آپ نے اُس کے گھر مین جیسے ہی قدم رکھا ایک ناجنس شخص کو دیکھ کے اپنے پاس بلایا جب وہ آیا تو اپنی چادر اُتار کے دی اور فرمایا "اسے لے جاکے رہن رکھو۔ اور جو روپیہ ملے اُس کی دو من (یہ اُس زمانہ کا ایک وزن تھا جو ہمارے یہان کے وزن سے بہت ہی چھوٹا تھا) شکر لے آؤ" اُس نے کہا بہت خوب۔ اور چادر لے کے گھر سے باہر نکلا۔ اُس کے باہر ہوتے ہی آپ نے لپک کے دروازہ بند کر لیا۔ اور اُس سے پکار کے کہا "اجی سنتے ہو۔ یہ چادر تمھین کو دے ڈالی۔ لیجاؤ۔ مگر خبردار پھر یہان نہ آنا" لوگون نے تعجب سے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا "مین نے چادر دے کے فارغ البالی حاصل کر لی۔ اور آج کی رات صحبت کو اغیار سے خالی کر لیا"[۱]

آداب صحبت کا بھی بہت کچھ پاس ولحاظ رہتا تھا۔ بعض طالب علمانہ مذاق کے لوگون کا معمول ہے کہ چھیڑ چھاڑ اور نکتہ چینی سے پیش آیا کرتے ہین۔ اس کو آپ بالکل ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ لوگون کو نصیحت کیا کرتے کہ "تم فقیر سے ملو تو نرمی سے ملو علم سے نہ ملو۔ اس لیے کہ نرمی سے فقیر مانوس ہوتا ہے اور علم اس کین وحشت پیدا کر دیتا ہے" بہ ظاہر اس پر لوگون کو اعتراض ہو گا۔ چنانچہ مرتعش جو صحبت مین شریک تھے یہ نصیحت سُن کے چونک پڑے۔ اور پوچھا "ابوالقاسم ایسے بھی فقیر ہوتے ہین جنھین علم سے وحشت ہوتی ہو؟" فرمایا "ہان ہوتے ہین۔ فقیر جب اپنے فقر مین سچا ہو اور تم اس پر اپنے علم کا بار ڈال دو تو وہ اس طرح پگھل جاتا ہے جس طرح رانگا آگ مین پگھلتا ہے"[۲]

[۱] روض الریاحین۔ [۲] رسالہ قشیریہ۔

چنانچہ آپ بھی چونکہ فقر و ولایت مین سچے تھے مخالفت کی زیادہ تاب نہ لا سکتے تھے۔ چون و چرا کرنے والے زیادہ کٹھ حجتی کرتے تو آپ نہایت پریشان ہو جاتے۔ اور جب دیکھتے کہ اپنی فضول گوئی سے باز ہی نہین آتے اور نہ سمجھانے سے سمجھتے ہین تو جھنجھلا اُٹھتے ایک مُرید نے ایک دن کچھ سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ اُس نے آپ کے جواب پر اعتراض کیا۔ اور ایسا اعتراض جس سے بے عقلی اور ذوق حقیقت سے دور ہونے کی بو آتی تھی۔ فرمانے لگے "سنو اگر تمھین میری بات کا یقین نہین اور میرے جواب سے اطمینان نہین ہوتا تو پھر میری صحبت مین کیون آتے ہو؟"[۱]

اس نازک دماغی کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے خدام اور گھر کے کام کرنے والے بھی صاحب باطن اور خلعت ولایت سے ممتاز تھے۔ ابوعمرو زجاج نے کچھ دنون خدمت کی تھی[۲] اُن کا اعلی مرتبۂ کمال پر پہونچ جانا اہل سیر و تاریخ مین مشہور ہے۔ آپ کی ایک خادمہ بھی زیتونہ جس نے ابوالحسن نوری کی بھی خدمت کی تھی۔ اور نوری نے اُس نیکبخت کی شان مین ارشاد فرمایا "زیتونہ ایک ولیہ ہے اولیاء اللہ مین سے"[۳]

مشائخ صوفیہ پر سب سے بڑا اعتراض اہل ظاہر کا یہ ہے کہ یہ لوگ پیرو سنت نہین۔ بلکہ دیگر قومون کے الٰہیات اور اُن کے طریقۂ ریاضت و نفس کشی کو اختیار کرتے ہین۔ لیکن دیکھنا یہ چاہیے کہ اِن بزرگون نے یونانیون یا دیگر اقوام کی رہبانیت سے اسی قدر فائدہ اُٹھایا جس قدر علمائے ظاہر نے مبتدع مسائل نحو و صرف اور یونانیون کی منطق و فلسفہ سے اُٹھایا تھا یا اعتدال کی حد سے گذر کے دیگر اقوام کے مرتاضون کی طرح پورے راہب اور جوگی بن گئے۔ جہان تک صوفیہ سلف کے

[۱] عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی [۲] نفحات الانس [۳] رسالہ قشیریہ۔

حالات سے پتہ لگایا جا سکتا ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ پورے اعتدال پر قائم تھے۔ اور دنیا کو اُسی حد تک چھوڑا تھا جہان تک کہ اسلام ناجائز و مضر بتا کے چھڑاتا ہے۔ جوگ اور رہبانیت کی اُن مین کوئی شان نہ تھی۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ خود سید الطائفہ جنید بغدادی نے جو صوفیۂ متاخرین کے لیے بہت اعلیٰ درجے کی نظیر ہین پابندی سنت نبوی ؐ شادی کی، متاہل بنے۔ اور دیگر مشائخ جب دار و بغداد ہوتے تھے تو اُن کے اور اُن کے دوستون کے لیے اعلیٰ درجے کی لطیف و لذیذ غذائین بھی پکوا کے اکثر پیش کیا کرتے تھے۔

ابوبکر شبلی جو بڑے اعلیٰ درجے کے اہل دل اولیاء اللہ اور صاحب ذوق بزرگون مین ہین حضرت جنید کے مرید اور آپ کے گلشن عرفان کے گل چینون مین تھے۔ اُن کے جوش و خروش اور غلبۂ حال کا ابتدائی زمانہ تھا کہ ایک دن مئے وحدت کے نشہ مین چور مستانہ وضع سے مرشد کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ جناب جنید کی بی بی عارف زمانہ شوہر کے پاس بیٹھی ہوئی تھین۔ ایک نامحرم مرید کو آتے دیکھ کے ارادہ کیا کہ اُٹھ کے پردے مین چھپ جائین۔ مگر جنید نے روکا اور فرمایا "کہان جاتی ہو؟ شبلی اس وقت اپنے آپے مین نہین۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ یہان موجود ہین۔ وہ تو غائب ہین۔ اور عالم باطن کی سیر کر رہے ہین۔ ایسی حالت مین تمھین چھپنے کی ضرورت نہین۔" شوہر کی زبان سے یہ کلمات سُن کے بیچاری اُٹھتے اُٹھتے پھر بیٹھ گئین۔ اور شبلی اندر آئے۔ جن سے جنید سے کچھ باتین ہوتی رہین۔ اثنائے گفتگو مین شبلی پر یکایک پھر ایک حالت طاری ہوئی۔ اور رنگ متغیر ہونے لگا۔ یہ حالت دیکھتے ہی جنید نے بی بی سے فرمایا "تمھارے چھپنے کا وقت آگیا۔ کیونکہ اب شبلی عالم باطن سے ظاہر کی طرف آرہے ہین۔ لہذا تم اُٹھ کے پردے مین چلی جاؤ۔" وہ اُٹھ کے چلی گئین

اور شبلی پھر اسی عالم ظاہر مین تھے۔[ع۵]

حضرت جنید کی مزاجی کیفیت یہ تھی کہ بہت کچھ رُکے تھمے رہتے۔ اور زہد و عبادت نے بہت زیادہ متانت پیدا کر دی تھی چنانچہ مرتعش کہا کرتے تھے کہ ابوسعید خراز مین کسی قدر لنگ ہونا چاہیے کیونکہ اتنے تیز جاتے ہین کہ کوئی ساتھ نہین دے سکتا۔ اسی طرح واسطی مین تھوڑی سی نرم دلی ہونی چاہیے۔ اور جنید مین تھوڑی تیزی۔[ع۵]

سماع اور صحبت حال و قال

آج کل کے معیار شرع سے یہی ایک ایسی چیز ہے جس کے اعتبار سے جنید اور اُن کے ہم مذاق و ہم صحبت اہل ذوق پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ ہم کو یہ نہین معلوم کہ جو نغمہ آپ کی صحبت عرفان مین گایا جاتا تھا اُس کے ساتھ مزامیر یعنی ساز بھی ہوتا تھا یا نہین۔ بادی النظر مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی صحبت کے غناء کے ساتھ کسی قسم کا ساز نہ ہوتا تھا صرف ایک قسم کی شعر خوانی تھی جس مین دل پر اثر کرنے والے قصائد خوش گلوئی سے سُنائے جاتے تھے جنھین سُن کے اِن بزرگون پر ایک وجد کا عالم طاری ہوتا۔ اور اکثر جوش و خروش سے اُٹھ کے حرکات مضطربانہ کرتے۔

ہمین علما سے فتویٰ لینے کی ضرورت نہین۔ دیکھنا یہ ہے کہ خود جنید بغدادی سماع کی نسبت کیا فرماتے ہین۔ آپ کا قول تھا کہ "فقیرون کے اوپر تین موقعون پر رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے (۱) سماع مین۔ یعنی گانا سنتے وقت اس لیے کہ اُس وقت وہ سوا

ع۵ عوارف ع۵ نفحات الانس۔

سماع ۱ ... [illegible]

حق کی آواز کے کچھ نہین سنتے ہین۔ اور جو کچھ اُن کی زبان سنے نکلتا ہے عالمِ وجد مین نکلتا ہے (۲) کھانا کھاتے وقت اِس لیے کہ معمولاً وہ جب ہی کھاتے ہین جب فاقہ ہوچکتا ہے (۳) اور علم کا چشمۂ فیض جاری کرتے وقت اس لیے کہ وہ سوا اولیاء اللہ کی صفتون کے اور کچھ نہین بیان کرتے۔[عه] یہ بھی آپ نے فرمایا کہ سماع تین چیزون کا محتاج ہے۔ زمان کا۔ مکان کا۔ اور اخوان کا۔ یعنی زمانہ اور جگہ بھی مناسب حال ہو اور اہل صحبت بھی اچھے ہون۔ لیکن سماع کی یہ خوبیان بیان کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "سماع اُس شخص کے لیے فتنہ ہے جو اُس کی تلاش مین رہتا ہو۔ اور اُس کے لیے ترویح ہے جو اُس کی مزاحمت کرے۔"[عه] کوہ سینا کے دامن مین آپ کی صحبت حال وقال نے جو اثر ڈالا اور جس طرح ایک مسیحی راہب کو مۓ وحدت اسلامی سے سیراب کیا۔ اُس کا حال ہم پیشتر بیان کر چکے ہین۔ لیکن معتبر بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ آخر عمر مین آپ سماع سے محترز ہو گئے تھے جس کا سبب یہ بتاتے تھے کہ ہم مذاق سننے والے نہین۔[عه]

مگر آداب شریعت کے لحاظ سے گانا سننے کے زمانے مین بھی آپ حد سے گزری ہوئی بے اعتدالیون کو بالکل ناپسند فرماتے تھے۔ اور نہ حد سے گزرے ہوے جوش وخروش کو جائز رکھتے تھے۔ آپ کی صحبت مین ایک صاحب دل نوجوان تھا۔ سماع کے وقت اُس کے جذبات روحانی مین جوش پیدا ہوتا تو بیتاب وبیقرار ہو کے زور وشور سے چیخ اُٹھتا۔ جنید نے اس بے ضبطی کو اپنی صحبت ذوق کے آداب ووقار کے خلاف خیال فرما کے کہا "تمھین ضبط کرنا چاہیے اور اگر ضبط نہین ہو سکتا تو ہماری صحبت سے چلے جاؤ۔ ہم ایسے بے صبر ہو جانیوالون کو اپنے پاس نہین رکھنا چاہتے۔"

عه رسالہ قشیریہ۔ عه عوارف المعارف۔

بھلا ایک صاحب ذوق سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ جنید کی صحبت چھوڑ کے چلا جاتا؟ مگر ہان اُس نے ضبط سے کام لینا شروع کیا اور دل مین ٹھان لی کہ چاہے دم نکل جائے مگر زبان سے اُف نہ نکلے گی۔ اب اکثر یہ ہوتا کہ اُس کے ہر بُن مو سے پسینہ جاری ہو جاتا اور خاموش بیٹھا رہتا۔ ایک دن جوش درونی ضبط کی حد سے گزر گیا۔ اور چیخنے سے حضرت شیخ نے منع فرمایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیٹھے بیٹھے اختیار سے باہر ہو کے ایک نعرہ مارا۔ اور اس چیخ کے ساتھ ہی دم نکل گیا۔[عه]

ابو محمد حریری جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوے تھے جنید کی ایک صحبت سماع کا حال بیان کرتے ہین کہ وہ بھی مین تھا۔ ابن مسروق وغیرہ تھے۔ اور قوال نغمۂ دلکش گا رہے تھے۔ ابن مسروق وغیرہ وجد مین آکے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر جنید بدستور خاموش بیٹھے تھے۔ مین نے پوچھا "سماع کا حضرت پر کچھ اثر ہوا؟" فرمایا "پہاڑون کو دیکھتے ہو؟ بادلون کی طرح اُڑتے پھرتے ہین۔" پھر اُنھون نے مجھ سے پوچھا "اور تمھاری کیا حالت ہے؟" مین نے عرض کیا "میرا تو معمول ہے کہ جب سماع کی صحبت مین شریک ہوتا ہون۔ اور اُس صحبت مین کوئی محتشم (بڑے پائے کا) بزرگ ہوتا ہے تو اپنی طبیعت کو روکے رہتا ہون۔ پھر اُن کے بعد جب گھر مین جا کے خلوت کا موقع پاتا ہون تو اپنے اوپر وجد کی حالت طاری کر لیتا ہون۔"[عه]

اس اختیاری کیفیت کو صوفیہ اپنی اصطلاح مین تواجُد کہتے ہین۔ اور جنید نے اس موقع پر چونکہ نہ اُسے مستبعد جانا اور نہ اُس سے انکار کیا تو سمجھنا چاہیے کہ ایسا اختیار ممکن ہے لیکن یہ اہل دل کی باتین ہین ہمین اِن سے علاقہ نہین۔ ہم تو یہ دیکھتے ہین کہ جنید بغدادی کو عالم وجد وبیخودی مین بھی صحبت کے آداب کا کس قدر

عه عوارف شیخ شہاب الدین سہروردی عه رسالہ قشیریہ ۱۲

لحاظ رہتا تھا۔ نہ کبھی خود آپ بخود ہو کے اُٹھ کھڑا ہونا پسند کرتے تھے۔ اور نہ اپنے مخصوص مریدین کے لیے ایسی از خود رفتگی کو جائز رکھتے تھے۔

تعلیم اور طرز تعلیم

جنید اپنے مریدون اور شاگردون کو جس قسم کی تعلیم دیتے تھے اُس کے اصول خود اُنھین کی تعلیم کے حالات سے معلوم ہو سکتے ہین۔ ہم اُن کا یہ قول بیان کر آئے ہین کہ "بھوکے پیاسے رہ کے۔ دنیا کو ترک کر کے۔ اور جن چیزون کو دل چاہتا تھا اُن سے علٰحدگی اختیار کر کے ہم نے علم تصوف حاصل کیا"۔ لہذا اسی قسم کی تعلیم آپ اپنے مریدون کو بھی دیتے ہون گے۔ ابوبکر شبلی سے جیسی جیسی ریاضتین آپ نے کرائین اور جس جفاکشی مین مبتلا کر کے اُنھین نفس کُشی کا سبق دیا اُس کا تذکرہ شبلی ہی کے حالات مین زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مگر باوجود اُن خاص قسم کی ریاضتون کے سب سے زیادہ اہتمام آپ کو پابندی دین اور پیروی سنت نبوی صلعم کا رہا کرتا تھا۔ آپ کا قول تھا کہ "جو حافظ قرآن نہین اور جس نے حدیثین نہین لکھین اُس کی پیروی من حیث الدین نہ کی جائے کیونکہ ہمارا یہ علم کتاب و سنت مین مقید ہے"۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ "سوا حضرت رسالت صلعم کے نقش قدم پہ چلنے کے خلقت پر تمام راستے بند ہین [ع۵]"۔

اِن پابندیون کی تصریح فرما دینے کے بعد علم باطن کے طالب علم یعنی مرید کی

ع۵ تلبیس ابلیس۔ لابن جوزی۔

نسبت آپ تحصیل علم باطن کا یہ اصول ارشاد فرماتے ہین: "سچے مرید کو علما کے علم کی ضرورت نہین۔ اور جب مرید کے ساتھ اللہ جل شانہ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اُسے صوفیہ کی طرف رجوع کرتا اور پڑھنے والون کی صحبت سے باز رکھتا ہے [ع۶]"۔

اصطلاح اہل باطن مین مُرید اُس شخص کو کہتے ہین جو معرفت الٰہی کا خواستگار ہو۔ اور اس کے مقابل مُراد اُسے کہتے ہین جس کی طرف معرفت خود ہی متوجہ ہو۔ اور جس کا سینہ انکشافات باطنی کا مورد بن جائے۔ ان دونون کی نسبت آپ فرماتے ہین "مراد اور مرید مین جو فرق بیان کیا جاتا ہے اُس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ دراصل ہر مرید مُراد ہے۔ اس لیے کہ اللہ جل شانہ اگر یہ نہ چاہتا کہ مرید اُس کی ذات بے ہمتا کا ارادہ کرے تو مرید مرید ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ وہی ہوتا ہے جو وہ حضرت رب العزت چاہتا ہے لہذا ہر مرید مُراد یعنی خدا کا ارادہ کیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہر مراد مرید بھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہ جب اُس کے لیے خصوصیت کا ارادہ کرتا یعنی اُسے اپنا مراد بناتا ہے تو اُسے ارادے کی توفیق دیتا ہے۔ اور یون وہی جو مُراد تھا مرید بن جاتا ہے۔ لیکن لوگون نے مراد اور مُرید مین فرق پیدا کر دیا ہے۔ اُن کے نزدیک مُرید مکتب علم ربانی کا مبتدی ہے اور مراد منتہی۔ مرید وہ ہے جو تکلیفات سے قائم ہو۔ اور مشقتون کی آزمائش گاہ مین ڈال دیا گیا ہو۔ اور مراد وہ ہے جس کا مقصد بغیر مشقت کے حاصل ہو جاتا ہو۔ اس لیے یون سمجھنا چاہیے کہ مرید تکلیف اُٹھانے والا ہے اور مُراد وہ ہے جس کے ساتھ نرمی کی گئی اور خوش حالی مین ہے۔ طالبان معرفت کے ساتھ اللہ جل شانہ کا معمول مختلف رہا کرتا ہے۔ اکثرون کو مجاہدہ نفس کی

ع۶ طبقات کبری للشعرانی۔

توفیق دیجاتی ہے اور ان مراحل کے طے کرنے کے بعد وہ اعلی مدارج کو پہونچتے ہین۔ یعنی پہلے مرید ہوتے اور پھر مراد بنتے ہین۔ مگر اس کے خلاف بہت سے طالبان معرفت کو ابتدا ہی مین اعلی معانی کا مکاشفہ ہو جاتا ہے۔ اور اُس درجے کو پہونچ جاتی ہین جہانتک اکثر ریاضت کرنیوالون کی بھی رسائی نہین ہوتی یعنی ابتدا ہی سے مراد بن جاتے ہین۔ لیکن اس قسم کے لوگون مین سے اکثر کا یہ حال ہوتا ہے کہ مُرادیت کی اس نرمی کے بعد پھر مجاہدۂ نفس کی محنتون مین مشغول کیے جاتے ہین۔ تاکہ اہل ریاضت کی جو حالت اُن سے چھوٹ گئی تھی اُس کی بھی تکمیل ہو جائے۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگون کو مُرادیت کے رتبۂ اعلی پر پہونچ جانے کے بعد مریدی کا درجہ طے کرنا پڑتا ہے[ع۵]۔

علم باطن کی تعلیم اُس وقت تک نہایت راز داری کے ساتھ اور خفیہ طریقون سے ہوا کرتی تھی۔ جس کا اصل سبب تو یہ تھا کہ اِن مسائل کو علم سے نہین عمل سے اور جلوت سے نہین خلوت سے تعلق تھا۔ اور یہ ایسے امور تھے جو بتائے نہ جا سکتے تھے۔ بلکہ خلوت کی یکسوئی مین ایک پُر نور دل کا عکس اُس دوسرے دل پر ڈالا جاتا تھا جو دُنیوی زنگ اور معاصی کے دھبون سے پاک و صاف کر لیا گیا ہو۔ بعینہ اُس طرح جیسے کہ آفتاب کی ضو سے ماہتاب اور دیگر کواکب جگمگا اُٹھتے ہین! ور سورج کی شعاعین ہوا کے ذرات ارضی کو چمکا دیا کرتی ہین۔ لیکن قطع نظر اس کے کہ اس فن الہی کی تعلیم علی رُوس الاشہاد نہین ہو سکتی اُن دنون پولیٹکل مصالح بھی اس امر کے متقاضی تھے کہ جہان تک ممکن ہو راز داری و اخفا کی کوشش کیجائے۔ ہم بتاتے ہین کہ آپ

ع۵ رسالہ قشیریہ ۱۲

کس طرح مکان کا دروازہ بند کر کے اور اُس مین قفل ڈال کے تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور جب آپ کے مرید با اخلاص ابو بکر شبلی نے لوگون کو عام طور پر اور علانیہ تعلیم باطنی دینی شروع کی۔ تو آپ نے فرمایا "ہم اس علم کو تہ خانون اور گھرون مین چھپ کے بیان کیا کرتے تھے۔ مگر شبلی نے اِسے بر سر منبر بیان کیا۔ اور خلقت پر عام طور سے آشکارا کر دیا"[ع۵]

آپ اکثر اُنھین اِس بے احتیاطی سے منع کرتے اور روکتے بھی تھے۔ فرماتے "اللہ تعالی کا راز مجھولون پر فاش نہ کرو۔" نیز کہا کرتے تھے کہ "فقیر کو مناسب نہین ہے کہ توحید خالص کی کتابین سوا اہل طریقت کی تصدیق کرنے والون یا اُن کے معتقدون کے اور کسی کے سامنے پڑھے ورنہ اندیشہ ہے کہ منکرین کسی عذاب مین مبتلا ہو جائین[ع۶]" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اخفا مین صرف اپنی ہی مضرت کا اندیشہ نہ تھا۔ بلکہ اس بات کا خوف بھی مد نظر تھا کہ کوئی گستاخی کر کے بارگاہ الہی سے مورد غضب نہ بن جائے۔ اور نقصان نہ اُٹھائے۔

مگر شبلی کی یہ حالت تھی کہ اکثر ایک مدہوشی کا عالم طاری رہتا! ور اس کا خیال بھی نہ رہتا کہ کون بیٹھا ہے اور کون کس خیال و مذاق کا ہے ایک دن دریاے وحدت مین ڈوبے ہوے اور عشق الہی سے بیتاب و بے قرار عجب مستانہ وضع سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت مین حاضر ہوئے سامنے آکے ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اور انتہا درجے کی بیتابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور جوش و خروش سے یہ اشعار پڑھے۔

عودونی الوصال والوصل عذبٌ   ورمونی بالصّدّ والصّدّ صَعبٌ

مجھے وصل کا عادی بنایا اور وصل شیرین ہے اور رُوگردانی سے مجھے زخمی کیا اور رُوگردانی بڑی دشوار چیز ہے۔

ع۵ نفحات الانس۔ جامی ع۶ طبقات الکبری للشعرانی

زعموا حین ازمعوا آنَّ ذنبی ۔۔۔ فرطُ حُبّی لهم وماذاک ذنبُ

مجھے زخمی کرنے کا ارادہ کرتے وقت وہ سمجھے کہ میرا گناہ یہی ہے کہ مجھے اُن سے زیادہ محبت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہین۔

لاوحق الخضوع عندالتلاقی ۔۔۔ ماجزا من یحبُّ اَلّاَ یُحبُّ

اس فروتنی کی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہے۔ محبت کرنیوالے کی سزا یہ نہین ہے کہ محبت ہی نہ کرے۔

یہ اشعار سُن کے حضرت جنید نے بڑی بیتابی کے ساتھ یہ پرجُوش و پُرحسرت شعر پڑھا۔

وَتمنّیتُ ان اراکَ فلمّا رائیتکا ۔۔۔ غَلَبت دہشۃُ السرورفلم املِکِ البکا

اور مجھے تیرے دیکھنے کی تمنا تھی۔ لیکن جب تجھے دیکھا تو مسرت کی حیرت اس قدر طاری ہوئی کہ جوش گریہ کو نہ روک سکا۔[عہ]

بہرتقدیر شبلی کے مُنہ سے جوش مستی مین چاہے کچھ نکل جائے لیکن حضرت جنید کی عالی ظرفی و متانت نے اِس بات کو کبھی جائز نہ رکھا کہ رموز باطنی سے نااہلون کے کان آشنا ہون۔ ابوبکر کسائی اُس دور کے مشہور اہل اللہ گزرے ہین۔ آپ حضرت جنید کے پُرانے رفیق اور دوست تھے۔ اور باہمی لطف و محبت کے ساتھ اس قدر ہم مذاقی تھی کہ جنید کہا کرتے تھے۔ اگر ابوبکر کسائی نہ ہوتے تو مین بھی بغداد مین نہ ہوتا۔ آپ سے اُن سے اکثر مراسلت رہا کرتی تھی۔ اور جنید خط و کتابت کے ذریعہ سے اُنھین اکثر رموز باطن بتایا کرتے۔ اُنھون نے ایک مرتبہ جنید بغدادی سے ہزار مسئلے پوچھے تھے۔ اور آپ نے اُن سب سوالون کی تسلی بخش جواب تحریر فرمائے تھے۔ آخر کسائی نے حضرت جنید کی زندگی ہی مین انتقال فرمایا۔ اور جب نزع کا

عہ وفیات الاعیان لابن خلکان۔

عالم طاری ہوا تو اُن تمام سوالون اور جوابون کو پانی سے دُھلوا کے مٹا دیا۔ جب اُن کی وفات کی خبر جنید کو پہونچی تو سنتے ہی فرمایا۔ "کاش اُنھون نے میرے لکھے ہوئے اُن مسائل کو مرنے سے پہلے محو کردیا ہوتا۔" لوگون نے عرض کیا۔ "جی ہان اُنھون نے اُن سب کو دھلوا ڈالا۔" یہ خاطر خواہ جواب سُن کے آپ بہت خوش ہوئے۔[عہ]

بعض اوقات آپ ان رموز باطنی کا اخفا ایسی خوبصورتی سے کرتے کہ جن لوگون سے اخفا کیا جاتا۔ اُن کے دل مین بجائے وحشت و نفرت کے اُنس و عقیدت کی روشنی چمک اُٹھتی۔ عبداللہ بن سعید نے جب اپنی وہ کتاب تصنیف کی جس مین تمام مذہبون کے حالات بیان کر کر اُن کی تردید کی تھی تو اُس کی تدوین و ترتیب کے بعد پوچھا۔ "کوئی فرقہ باقی تو نہین رہا؟" لوگون نے کہا۔ "جی ہان ایک گروہ باقی ہے جو صوفی کہلاتا ہے۔" پوچھا۔ "اُن کا امام اور پیشوا کون ہے؟" لوگون نے بتایا۔ "ابوالقاسم جنید۔" یہ پتہ معلوم ہوتے ہی اُنھون نے جنید کو خط بھیج کے آپ کے مذہب و عقائد کی حقیقت دریافت کی۔ آپ نے جواب مین تحریر فرمایا۔ "ہمارا مذہب یہ ہے کہ قدامت کو حدوث سے علیحدہ اور منزہ کرین۔ بھائیون اور وطنون کو چھوڑ دین۔ اور جو کچھ ہوا ہے اور ہوگا سب بھول جائین۔" ابن سعید یہ جواب دیکھ کے متحیر ہوگئے۔ اور کہا۔ "یہ تو ایسا کلام ہے جس مین مناظرے کو دخل نہین۔" پھر خود جنید کی صحبت مین حاضر ہوئے۔ اور توحید کا حال پوچھا۔ آپ نے اسرار حکمت بانی اُن کے سامنے ایسے الفاظ مین بیان فرمائے کہ اُن کے دماغ مین محفوظ نہ رہ سکے عرض کیا۔ "مین آپ کی تقریر کو یاد نہین رکھ سکا۔ پھر فرمائیے۔" آپ نے ابکی وہ رموز دوسرے الفاظ مین فرمائے۔ اور اب بھی ابن سعید نے غور کیا تو اُن خیالات کو جو سُنے تھے زبان سے ادا نہ کرسکتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ جنید کے فضل و کمال کے معترف ہوگئے۔ اور پھر اُن کے عقائد پر کوئی اعتراض نہین کیا۔[عہ]

عہ نفحات الانس۔ جامی عہ مرآۃ الجنان یافعی۔

مذکورہ سابق امور کے علاوہ کبھی اخفائے راز کا یہ سبب بھی ہوا کرتا تھا کہ بعض صاحب کمال اہل باطن کی ظاہری حالت ایسی ہوتی کہ ایک نئے مرید کے لیے اُن کی طرف سے بدظن ہو جانے کا اندیشہ ہوتا۔ اُن دنوں ابو محمد رُدیم بن احمد نام ایک مشہور پرانے بزرگ تھے۔ جو تھے تو جنید کے احباب و اصحاب میں۔ مگر وفورِ عقیدت سے اپنے آپ کو اُن کا مرید اور شاگرد ظاہر کیا کرتے! اتفاقاً ابو عمرو زجاج جب جنید کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوئے۔ اور شب و روز اُن کی خدمت میں حاضر رہنے لگے تو جنید نے اُنھیں منع کیا کہ خبردار تم رُدیم کے پاس نہ جانا۔ زجاج نے آخر تک اس حکم پر عمل کیا۔ لیکن جب بغداد سے جانے کا وقت آیا تو دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بغداد میں رہ کے رُدیم سے نہ ملنا بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ لوگ اگر پوچھیں گے کہ تم نے رُدیم کی زیارت نہ کی تو کیا جواب دوں گا؟ آخر ایک دن چھپ کے چلے ہی گئے۔ دیکھا کہ رُدیم مسند پر امیرانہ ٹھاٹھ سے بیٹھے ہیں۔ اور جب عوام کا مجمع چھنٹ گیا تو اُن کے پاس ایک نہایت ہی حسین و نازنین لونڈی آئی جو اُنھیں کی ملک تھی۔ خیر کچھ باتیں ہوئیں اور اس کے بعد چلے آئے۔ کسی نے اس واقعہ کی خبر حضرت جنید کو بھی پہونچا دی۔ زجاج کو بلا کے پوچھا "تم نے رُدیم کو کیسا پایا؟" عرض کیا "نہایت بزرگ"۔ سُن کے بولے "الحمد للہ! مجھے یہی اندیشہ تھا کہ تمھارے دل میں سوءِ ظن پیدا ہو۔"[عہ]

سری سقطی کی طرح آپ کی تعلیمیں بھی اکثر اخلاقی صحبتوں اور باتوں میں ہوا کرتی تھیں مثلاً اپنے مریدِ خاص ابوبکر شبلی کو جس وضع و شان سے تزکیۂ نفس و صفائے باطن کی تعلیم دیا کرتے تھے اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک دن کسی بات پر شبلی کی زبان سے "لاحول ولا قوۃ" کا کلمہ نکل گیا۔ سنتے ہی جنید نے ٹوکا اور فرمایا "ذامن ضیق الصدر وضیق الصدر من ترک الرضاء بالقضاء" مطلب یہ کہ یہ تو سینے کی تنگی یعنی کسی بات پر تنگ آ جانے کا نتیجہ ہے۔ اور تنگ آ جانے کا منشا یہ ہے کہ گویا راضی بہ رضا ہونے سے دست بردار ہو گئے۔[عہ]

(عہ نفحات الانس۔ عہ عوارف المعارف شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔)

اب ہم آپ کی عام تعلیمات بتاتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک سچ پوچھیے تو علمِ باطن حاصل کرنے والے کے لیے ایک شمعِ ہدایت ہے۔

کسی نے پوچھا "عارف کون ہے؟" فرمایا "وہ جو تیرا راز بتا دے۔ اور خاموش بیٹھا رہے۔" اسی طرح ایک اور مرتبہ کسی نے پوچھا "عارف کی کیا شان ہے؟" فرمایا "پانی اُسی وضع میں نظر آتا ہے جو وضع کہ اُس کے ظرف کی ہو۔" یعنی جیسا زمانہ اور وقت ہو ویسی ہی عارف کی شان ہوتی ہے۔ عارف کی صفت میں ذوالنون مصری نے یہ الفاظ کہے تھے: "ابھی یہاں تھا ابھی چلا گیا۔" ان الفاظ کا تذکرہ لوگوں نے جنید کے سامنے چھیڑا تو آپ نے فرمایا "عارف کو کوئی حالت کسی حالت سے روک نہیں سکتی۔ اور نہ کوئی مکان اُسے دوسرے مقامات میں چلے جانے سے باز رکھتا ہے لہٰذا وہ سب مکانوں کے ساتھ وہی نسبت رکھتا ہے جو نسبت کہ اُسے اُس مکان سے ہے جس میں وہ موجود ہے جس طرح اور لوگوں پر حالتیں طاری ہوتی ہیں اُس پر بھی طاری ہوتی ہیں۔ اور اُس کی زبان سے ایسے رموز ظاہر ہوتے ہیں جن سے لوگ نفع اٹھا سکیں۔" کسی نے پوچھا "یا حضرت معرفت کسبی ہے یا بغیر کوشش کے خود بخود حاصل ہو جاتی ہے؟" فرمایا "چیزوں کا ادراک میرے تجربے میں دو طرح ہوتا ہے۔ اگر سامنے موجود ہو تو حس سے۔ اور اگر نظر سے اوجھل ہو تو دلیل سے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ہمارے حواس کے سامنے نمایاں نہیں ہے اس لیے اُس کی معرفت دلیل اور جستجو سے ہوتی ہے کیونکہ ہم غیب اور غائب کو سوا دلیل کے اور کسی طرح نہیں معلوم کر سکتے۔ علیٰ ہذا القیاس نمایاں چیز کو بغیر حواس کے نہیں جان سکتے۔"

لوگوں نے پوچھا "خالص توحید کیا ہے؟" فرمایا "یہ کہ بندہ کی آخری حالت ابتدائی

عہ رسالہ قشیریہ۔

حالت کیطرف رجوع کر جائے اور ویسا ہی ہو جائے جیسا کہ عالم وجود میں آنے سے پہلے تھا۔"

اور فرماتے "وہ توحید جو اہل تصوف کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ قدیم کو حادث سے علیحدہ کرے۔ اوطن و مساکن کو چھوڑ دے۔ محبتوں سے قطع تعلق کرے اور جو کچھ جانتا اور نہیں جانتا ہے سب چھوڑ دے۔"

کسی اور نے پوچھا، توحید کسے کہتے ہیں؟" فرمایا "موحد کا اُس کی وحدانیت کی تحقیق کر کے کمال احدیت کو ایسا یگانہ جاننا کہ وہ اکیلا ہے۔ نہ اُس کا باپ ہے نہ بیٹا۔ اور اس علم میں تمام ایسی چیزوں کو جو اُسکی ضد ہیں اور نیز شریکوں اور مثالوں کو فنا کرنا۔ نہ کسی کو اس کے مشابہ بتانا نہ اُس کی کیفیت بیان کرنا۔ نہ اُس کی صورت قائم کرنا۔ اور نہ اُس کی کوئی مثال دینا بجز اس کے" لیس کمثلہٖ شیءٌ وھو السمیع البصیر۔"

ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر ایک سچا شخص لاکھ برس تک خدا کیطرف توجہ رکھے۔ اور پھر ایک لحظہ کے لیے دوسری طرف متوجہ ہو جائے تو جو گھڑی اُس نے کھو دی وہ اُس زمانہ پر غالب ہی رہے گی جس میں اُسے توجہ حاصل تھی"۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ "حکمت باطنی کے عہدوں میں سے جس کی سب سے پہلے ضرورت ہے یہ ہے کہ مصنوع اپنے صانع کو پہچانے۔ اور پیدا ہونیوالا یہ معلوم کرے کہ وہ کیونکر پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ خالق کی صفت مخلوق سے۔ اور قدیم کی صفت حادث سے علیحدہ کرے اور پہچانے اُس کی دعوت (رسالت) کے آگے عاجزی سے سر جھکائے۔ اور اُسکی عبادت کے واجب ہونے کا مقر ہو۔ اس لیے کہ جو اپنے مالک کو نہیں پہچانتا وہ یہ بھی نہیں جان سکتا کہ کس کی حکومت اُس پر واجب ہے۔"عہ

فرمایا کرتے تھے "گوشہ خلوت کی شقت میل جول کی دلچسپیوں سے زیادہ آسان ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا "قربت الٰہی کی نسبت کیا ارشاد ہوتا ہے؟" فرمایا "وہ دور ہے بغیر نزدیک

عہ طبقات الکبری۔ عہ رسالہ قشیریہ۔

ہونے کے۔ اور نزدیک ہے بغیر اس کے کہ مس ہو۔" یہ بھی فرمایا کرتے تھے "جو یہ چاہتا ہو کہ اپنے دین کو صحیح و سالم رکھے اور اپنے بدن اور قلب کو آرام دے تو لوگوں سے نہ ملے۔ اس لیے کہ یہ زمانہ وحشت کا ہے اور آجکل عقلمند وہ ہے جو گوشہ نشینی اختیار کرے۔"عہ

کسی اور نے سوال کیا کہ "توحید کیا ہے؟" فرمایا "یقین"۔ سائل نے عرض کیا "اچھا ارشاد ہو کہ یقین کسے کہتے ہیں؟" کہا "تیرا یہ سمجھنا کہ خلقت کے تمام حرکات و سکنات خدائے وحدہٗ لاشریک کے افعال ہیں۔ یہ بات جب تجھے حاصل ہو جائے تو سمجھ لے کہ تو موحد ہو گیا۔"

فرمایا کرتے تھے "علم توحید کی بساط بیس برس ہوئے تہ کر کے رکھ دی گئی۔ اب تو لوگ صرف اُس کے گرد و پیش اور آس پاس کی باتوں سے بحث کیا کرتے ہیں۔"

عربی زبان میں لفظ "مع" کے معنے ساتھ کے ہیں۔ ابن شاہین نے پوچھا کہ حضرت مع کے کیا معنی ہیں؟" فرمایا "دو معنی ہیں! انبیا کے ساتھ آئے تو مدد کے معنی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انّنی معکما" میں تم دونوں کے ساتھ یعنی تمہارا مددگار ہوں۔" مگر یہ لفظ عام لوگوں کے ساتھ آئے تو اس کے معنی علم اور احاطہ کے ہوتے ہیں۔ جیسے قرآن پاک میں آیا ہے "ما یکون من نجویٰ ثلاثۃٍ الا ھو رابعھم" کوئی تین مناجات کرنیوالے نہیں ہوتے کہ وہ (خدا) اُن کا چوتھا نہیں ہوتا۔" یہ تقریر سُن کے ابن شاہین کہہ اُٹھے "بس آپ ہی کے سے شخص کے لیے شایان ہے کہ خدا کے راستے میں اُمت محمدی کا رہنما ہو۔" کسی مرید نے کُل مال خیرات کر دینا چاہا۔ آپ نے فرمایا "کچھ رکھ لو تمہارے نفس کو اطمینان نہیں کہ اس کے بعد کچھ نہ طلب کرے۔"عہ

اہل شام کے سوالات کے جواب میں آپ نے فرمایا "خدا غیب کی چیزوں کے علم میں بے مثل و بے ہمتا ہے۔ (یعنی اُس کے سوا کسی کو علم غیب نہیں۔ لہذا جو کچھ ہوا اور جو ہو گا۔ اور نیز یہ

عہ طبقات الکبری۔ عہ رسالہ قشیریہ۔

امر کہ جو چیز نہیں ہونیوالی ہے اگر ہوتی تو کیسا ہوتا۔ ان باتوں کو صرف وہی عالم الغیب جانتا ہے۔[1] آپ کی صحبت میں ایک دفعہ شبلی نے کہا "اللہ جل جلالہ" سنتے ہی فرمایا اگر خدا غائب ہے تو غائب کا ذکر کرنا غیبت ہے۔ اور اگر حاضر ہے تو حاضر کے روبرو اس کا نام لینا ترک ادب ہے۔[2]

فرمایا کرتے تھے "جب تم صوفی کی یہ حالت دیکھو کہ ظاہر داری کی باتوں کا زیادہ خیال رکھتا ہے تو جان لو کہ اُس کا باطن خراب ہے۔" یہ بھی فرمایا کرتے "تصوف یہ ہے کہ تیرے اور اللہ سبحانہ کے درمیان میں کوئی واسطہ نہ باقی رہے۔" کبھی فرماتے "تصوف تو ایک جنگ ہے جس میں صلح نہیں۔" اور کبھی یہ کہتے کہ "وہ (صوفی) ایک گھر والے ہیں جن کی صحبت میں کوئی دوسرا بار نہیں پاتا۔"[3] ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "تصوف خدا کے ساتھ معاملے کے صاف ہونیکا نام ہے۔ اور اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ دنیا سے روگردانی کی جائے۔" یہ بھی فرمایا "تصوف یہ ہے کہ اُسی تصوف سے خدا تجھے تیری خودی کو مٹا کے مارے اور اُسی سے تجھے زندہ کرے۔" نیز فرماتے ہیں "تصوف ذکر ہے اجتماع یعنی خدا رسی کے ساتھ وجد ہے سماع کے ساتھ۔ اور عمل ہے اتباع یعنی پیروی شرع کے ساتھ۔"

توبہ کی نسبت فرماتے ہیں: "توبہ کے تین معنی ہیں (۱) ندامت (۲) اس بات کا عزم بالجزم کہ جس کام کو خدا نے منع فرمایا ہے اُسے پھر نہ کریں گے (۳) جو زیادتیاں اور ظلم ہو گئے ہیں اُن کے کفارے اور معاوضے کی کوشش کرنا۔" ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا تھا "توبہ کیا ہے؟" فرمایا یہ کہ اپنے گناہ کو بھول جاؤ۔" اس کی تصریح ایک دوسرے موقع پر یوں فرمائی کہ محققین کی توبہ یہ ہے کہ دل پر خدا کی عظمت کے غالب ہونے کا نقش ہونے کے باعث اپنے گناہوں کو بھول جائیں اور اُس ذات وحدہ لاشریک کو ہمیشہ یاد کرتے رہیں۔"

[1] عوارف المعارف۔ [2] تذکرۃ الاولیاء [3] طبقات الکبری۔

رویم نے پوچھا "زہد کیا ہے؟" فرمایا "دنیا کو حقیر جاننا۔ اور اُس کے اثروں کو دل پر سے مٹانا۔" یہی سوال کسی اور نے کیا تھا۔ جواب دیا "ہاتھ کا مال و جائداد سے اور دل کا اُس کی تلاش سے خالی ہونا۔"[1]

فرماتے ہیں "اللہ جل شانہ نے مومنین کو ایمان سے شرف عطا کیا۔ اور ایمان کو عقل سے اور عقل کو صبر سے۔ لہذا ایمان مومن کا دین ہے عقل ایمان کا دین ہے اور صبر عقل کا دین ہے۔"

فرمایا کرتے کہ میں نے اخلاص کو ایک حجام سے سیکھا۔ وہ مکہ معظمہ میں کسی کے بال برابر کر رہا تھا۔ میں نے کہا "خدا کے لیے میرے بال بنا دو۔" وہ فوراً آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ جس شخص کے بال بنا رہا تھا اس کی حجامت عذر خواہ ہو کے ناتمام چھوڑی۔ اور میرے سر پر بوسہ دے کے بال بنا دیے۔ پھر ایک پڑیا میں رکھ کے مجھے کچھ رقم دی اور کہا "اسے اپنے خرچ میں لائیے۔" میں نے لے لیا۔ اور دل میں نیت کی کہ مجھے جو پہلی فتوح ہو گی وہ اس نائی کی نذر کروں گا۔ چند روز بعد روپیہ میرے ہاتھ آیا میں فوراً اُسے لے کے اُس کے پاس گیا۔ اور اُس کی نذر کیا۔ اُس نے کہا "یہ کیا ہے؟" تو میں نے اپنی نیت کا حال بیان کیا۔ اُس نے کہا "اے شخص تجھے شرم نہیں آتی؟ تو نے خدا کی راہ میں بال بنانے کو کہا تھا۔ اور اب کہتا ہے کہ یہ اُس کا معاوضہ ہے! تو نے کسی کو بھی دیکھا ہے کہ خدا کی راہ میں کام کرے اور پھر اُس کی مزدوری لے؟"[2]

لوگوں نے پوچھا "خوف کیا ہے؟" ارشاد ہوا "سانس کی آمد و رفت کیساتھ عذاب الٰہی کا متوقع رہنا۔" لوگوں نے سوال کیا کہ "حکایتوں سے مرید کو کیا نفع پہونچ سکتا ہے؟" فرمایا "حکایتیں تو اللہ جل شانہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں جس سے مریدوں کے دلوں کو تقویت ہوتی ہے۔"

[1] رسالہ قشیریہ [2] عوارف المعارف [3] تذکرۃ الاولیاء۔

عرض کیا "اس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟" ارشاد ہوا کلامِ ربانی یعنی کتاب اللہ میں ہے۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ "(اور ہم تجھ سے پیغمبروں کے تمام قصے بیان کریں گے۔ جس سے تیرے دل کو مضبوط کریں گے۔)

لوگوں نے دریافت کیا "حیا کیا ہے؟" فرمایا "نعمتوں کو دیکھنا اور اپنی کمی کو دیکھنا ان دونوں کے درمیان میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے حیا کہتے ہیں" لوگوں نے کہا "وہ شخص کیسا ہے جس کے لیے دنیا میں زندگی کی صرف اتنی مہلت باقی رہ گئی ہو کہ ایک گٹھلی چوس کے پھینک دے" فرمایا "ایک مکاتب غلام ہے جس کے ذمے کوئی درہم نہیں باقی رہا"[ع۵]

کسی نے پوچھا "اُس شخص کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں جو ہدایت کر رہا ہے۔ مگر گانا سُن کے اُس کی حالت متغیر ہو گئی" فرمایا "مخلوق سے عہد اولین لیتے وقت جب اللہ جل شانہ نے فرمایا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اس وقت اس کلام کی شیرینی نے روحوں کو ایک چوٹ لگا دی تھی جب گانا سنتے ہیں تو وہی چوٹ پھر یاد آ جاتی ہے" نیز فرمایا کرتے تھے تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص تھیں (۱) سخاوت جو حضرت ابراہیم کا حصہ تھی (۲) رضا جو حضرت اسحٰق کے ساتھ مخصوص تھی (۳) صبر جس کا حق حضرت ایوب نے ادا کیا۔ (۴) اشارہ جو حضرت زکریا کے لیے خاص تھا۔ (۵) غریب الوطنی جو حضرت یحییٰ کے لیے تھی (۶) سیاحی جو حضرت عیسیٰ کے خصائص میں سے تھی (۷) فقیری جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھی[ع۶]۔

لوگوں نے سوال کیا "اللہ جل شانہٗ کی درگاہ میں محتاج رہنا اچھا ہے یا اُس کے بھروسے پر مستغنی ہو جانا؟" ارشاد ہوا "جب اللہ کی درگاہ میں محتاج رہنا متحقق ہوا تو

ع۵ رسالہ قشیریہ۔ ع۶ طبقات الکبریٰ۔

اُس کے بھروسے پر مستغنی رہنا بھی ثابت ہو گیا۔ اور جب استغنا اللہ کے بھروسے پر ہوا تو غنی میں بھی کمال ہوا۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون زیادہ مکمل ہے۔ فقر یا غنیٰ۔ اس لیے کہ یہ دونوں حالتیں ہیں۔ اور ایسی کہ ان میں سے کوئی بغیر دوسری کے پوری نہیں ہو سکتی"

پھر فقیروں کی طرف متوجہ ہو کے ارشاد فرماتے ہیں "اے گروہ فقرا تم اللہ کو پہچانتے ہو اللہ کا ادب کرتے ہو۔ لہٰذا یہ دیکھو کہ اللہ کے ساتھ جب تم خلوت میں ہوتے ہو اُس وقت اُس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو؟"[ع۷]

صوفیۂ اسلام کے نزدیک جب عبادت و ریاضت اور زہد و تقوے کے ذریعے سے نفس قابو میں آ جاتا ہے۔ اور طبیعتِ انسانی کا دیو فرمانبردار ہو جاتا ہے اُس وقت فطرت انسانی کے بعض تقاضوں کے پورا کرنے اور بعض لذتوں سے لطف اُٹھانے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ اور اُس زمانے کو صوفیہ کی اصطلاح میں وسعت کہتے ہیں۔ اسی مقام کی نسبت حضرت جنید فرماتے ہیں "اب میں نکاح کا ویسا ہی محتاج ہوتا ہوں جیسا کہ کھانے کا محتاج ہوں"

ارشاد فرمایا کرتے تھے "علم آخرت کے لیے اُس وقت تک دل صاف نہیں ہو سکتا جب تک انسان دنیا سے مجرد نہ ہو جائے۔ لہٰذا ابتدا ہی میں دنیا کو اپنے دل سے نکال ڈالو۔ اور اس بات سے ڈرو کہ تمہارے سینے میں خواہش نفس کا کوئی دفینہ چھپا رہ جائے۔ کیونکہ وہ تمہیں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے روک دیگا۔ اور جب تک تم اس حالت میں ہو گے تمہارا مرشد بھی تمہیں ایک قدم آگے نہ بڑھا سکے گا۔ اس لیے مرشد کے حکم کو سنو اور اُس کے پابند ہو" چنانچہ آپ کا قول تھا کہ "اللہ تعالیٰ کی جانب سے غافل ہونا دوزخ میں جانے سے زیادہ سخت ہے"

اہل معرفت کے دلوں پر جو کیفیتیں طاری ہوا کرتی ہیں اُن میں جمع و تفرقہ بھی ہیں۔

ع۵ رسالہ قشیریہ۔ ع۶ طبقات الکبریٰ۔

ان دونون جذبات کی ماہیت اِن مختصر الفاظ مین بیان فرماتے ہین: "عالم وجد مین قربت الٰہی حاصل ہونے کا نام جمع ہے۔ اور اُس قربت کے جانے کے بعد پھر بشریت کی حالت مین آنے کا نام تفرقہ ہے"۔ وجد کی تعریف مین فرماتے ہین کہ "سرور کے ساتھ ذات ربانی کے ظہور کے وقت صفات کے منقطع ہو جانے کا نام وجد ہے"۔ پھر فرماتے ہین کہ "جب مین عالم شہود کے نمایان ہونے پر آپ سے غائب ہوتا ہون تو اللہ ہی میری ہستی ہوتا ہے"۔ عالم وجد کے نازک ترین مقامات کی حقیقت بیان فرماتے ہین "میرا وجد مجھے خوش کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا کہ وہ جو عالم وجد مین موجود ہے اُس نے مجھے یہان تک معدوم کر دیا کہ خود وجد بھی نہ نظر آتا تھا۔ جو شخص عالم وجد مین ہو اُسے وجد مسرور کیا کرتا ہے۔ مگر حضور حق کے وقت وہ وجد بھی غائب ہو جاتا ہے"۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "جن دو شخصون مین خدا کے لیے اخوت قائم ہوئی اور پھر اُس کے بعد اُن مین سے کوئی دوسرے سے متنفر ہو گیا تو سمجھ لو کہ اُن مین سے کسی ایک مین ضرور کھوٹ ہے"[ع۵]۔

فرماتے ہین "جس کسی نے اپنے نفس پر نیت خیر کا دروازہ کھولا اللہ اس پر توفیق کے ستر دروازے کھول دیتا ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے نفس پر بُری نیت کا دروازہ کھولا اس پر اللہ جل شانہ ذلت کے ستر دروازے کھول دیتا ہے اور اُس طرف سے جدھر کی اُسے خبر بھی نہین ہوتی"[عہ]۔

ابو جعفر خلدی نے پوچھا "یا حضرت۔ سچائی اور خلوص مین کوئی فرق ہے؟" ارشاد ہوا "ہان ہے۔ سچائی اصل ہے اور خلوص فرع ہے جو اُس کے تابع رہا کرتا ہے"۔ نیز فرماتے ہین "رضا اور محبت خوف اور رجا کے مثل نہین ہین۔ اس لیے کہ رضا و محبت ایسی دو حالتین ہین جو بندے سے کبھی جدا ہی نہین ہوتین۔ نہ دنیا مین نہ آخرت مین کیونکہ جنت مین بھی رضا اور محبت کی ضرورت ہوگی حالانکہ وہان خوف و رجا نہ ہون گے"۔ توکل کی حالت بتاتے ہین "توکل یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح وابستہ ہو جائے

ع۵ عوارف المعارف عہ طبقات الکبریٰ۔

کہ گویا تھا ہی نہین۔ اور اُسکے نتیجے مین اللہ تجھ مین اس طرح بس جائے کہ گویا وہ ہمیشہ سے یونہین تھا"۔ صوفی کی شان بتاتے ہین کہ "صوفی مثل زمین کے ہے جسے اچھے بُرے سب روندتے ہین یا مثل گھٹا کے ہے جو ہر چیز پر سایہ کرتی ہے۔ یا مثل مینہ کے ہے جو ہر چیز کو سیراب کرتا ہے"[ع۵]۔

فرمایا کرتے تھے کہ "شکر مین ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ شکر کرنیوالا اپنے نفس کے واسطے زیادہ نعمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ لہذا شکر کرنے مین وہ خداوند جل و علا سے اپنے حظ نفس کے ساتھ واسطہ رکھتا ہے۔ اصلی شکر یہ ہے کہ اپنے نفس کو تو رحمت کا مستحق ہی نہ سمجھے"[عہ]۔

فرماتے ہین "اللہ تعالیٰ اپنے بندون کے دلون سے اُسی حد تک قرب پیدا کرتا ہے جتنی قربت کہ اُن مین اپنی ذات سے پاتا ہے۔ لہذا تم غور کرو کہ تمھارے دل مین کتنی قربت ہے"۔ لوگون نے آپ سے پوچھا "اپنے کن وقتون پر آپ افسوس کرتے ہین؟" فرمایا "اس زمانۂ بسط پر جس کے بعد قبض کی کیفیت طاری ہو جائے اور اُس زمانۂ اُنس پر جس کے بعد وحشت کی کیفیت طاری ہو"۔ اُنس کی تعریف مین ارشاد ہوتا ہے "غیظ و غضب کے جاتے رہنے کے بعد صرف ہیبت باقی رہ جانے کا نام اُنس ہے"۔ غنار کی حالت ارشاد ہوتی ہے "اپنے تمام اوصاف سے بیزار غافل ہو جانا اور اُس ذات واحد کی کلیت مین بیزار کلیۃً مشغول ہو جانا غنار ہے"۔ یہ کس قدر مشکل چیز ہے۔ اور ہم نہین سمجھ سکتے کہ یہ حالت کتنون پر طاری ہو سکتی ہے۔ اور اسی دشواری کیوجہ سے یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ "سماع اُس شخص کے لیے جو اس کا خواہشمند ہو فتنہ ہے اور اُس شخص کے لیے جسے اُس سے سچا وجد حاصل ہوتا ہو تمرہ مند ہے"[سہ]۔

ایک دفعہ لوگون نے پوچھا "محبت رکھنے والا محبوب سے ملاقات ہونے کے وقت رونے کیون لگتا ہے؟" فرمایا "اِسکا سبب یہ ہے کہ ہجوم شوق سے اُس پر سرور و وجد کا عالم طاری ہو جاتا ہے"۔ کسی نے پوچھا "کیون حضرت! عارف سے زنا بھی سرزد ہو سکتا ہے؟" یہ سوال سُن کے آپ ایک گھڑی سر جھکائے رہے۔

ع۵ عوارف المعارف عہ رسالۂ قشیریہ سہ عوارف المعارف ۱۲

پھر سر اُٹھا کے فرمایا "وَكَانَ اَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا"، یعنی خدا کے معاملات تقدیر مین لکھی اور مقدر ہوا کرتے ہین مطلب یہ کہ جب اُسکی قسمت مین ایسا گناہ لکھ دیا گیا ہو تو کیون نہ ہو گا۔ کسی نے پوچھا "دل کس وقت خوش ہوتا ہے؟"، فرمایا "جب وہ دل مین ہو"

شیخ علی ابن سہل اصفہانی آپ کے عہد کے مشہور عارفون مین تھے! ور ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن معدن بنّار کے مریدون مین تھے۔ اُنھین ایک مرتبہ آپ نے ایک عارفانہ خط بھیجا۔ جس مین تحریر فرمایا تھا "اپنے مرشد سے پوچھو کہ تم پہ غالب کون چیز ہے؟" یہ سُن کے ابو عبداللہ موصوف نے فرمایا "جواب مین لکھ دو کہ اُن کے معاملات پہ خدا غالب ہے"، غالباً اسی تحریر کے بعد سے حضرت جنید شیخ ابو عبداللہ کے فضل و کمال کے معترف تھے۔

آپ کی مخالفت

ان دنون صوفیہ کا گروہ نیا نیا پیدا ہوا تھا۔ یعنی محض زہد و تقویٰ کے علاوہ ان بزرگون نے الٰہیات کا ایک فن پیدا کیا تھا۔ جس سے ایک طرف تو اسلام کا جلوہ لمعہ افگن تھا اور دوسری طرف اُن بزرگون نے نئی نئی غیر مانوس اصطلاحون مین جس قسم کے مسائل توحید و عرفان بیان کرنا شروع کیے تھے۔ اُن سے یونان و مجوس کے الٰہیات اور نصاریٰ و ہنود کی رہبانیت و ریاضت کی بو آتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ اہل ذوق اور عام مسلمانون کا رجحان اِن لوگون کی طرف بڑھتا جاتا تھا۔ یہی امر دیکھ کر اکثر لوگون نے انھین وحشت کی نگاہون سے دیکھا۔ بعض متشدد محدثین نے اُنھین مبتدع اور خلاف کتاب و سنت کہہ دیا۔ بعض نے دلی بغض و حسد کی بنا پر ان بزرگون کو تہمتین لگائین! ور اکثر صوفیون کو نقصان بھی پہونچ گیا۔ لیکن حیرت کی یہ بات ہے

عـ۵ تذکرۃ الاولیا۔

کہ جنید بغدادی باوجودیکہ صوفیون کے سرتاج اور سید الطائفہ کہے جاتے تھے۔ تمام صوفیۂ عالم کے مرجع و ہادی بنے ہوئے تھے۔ اور آپ کے گھر مین اہل معرفت کا ہمیشہ مجمع رہا کرتا تھا۔ مگر ان کی نسبت نکتہ چینی کی زبان کھولنے کی کسی کو بہت کم جراُت ہو سکتی تھی حتی کہ صوفیہ کے بڑے بڑے مخالفین بھی آپ کی دینداری و نیک نفسی کے معترف تھے۔ جن علما نے گروہ صوفیہ پر عتاب کیا اور اُنھین سزائین دلوانے کی کوششین کین۔ اُنھین نے ہمیشہ جنید بغدادی مین کوئی ایسا کمال پایا اور اُن مین کوئی ایسی ہردلعزیزی دیکھی کہ اُنھین ہر قسم کی آزار رسانی سے بچا لیا۔ بعد کے علما مین سے بھی جنھون نے صوفیہ پر زبان طعن و تشنیع اکثر دراز کی ہے اُنھون نے بھی جنید بغدادی کو اکثر الزام سے بچایا ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ علامۂ ابن جوزی نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس مین صوفیہ کے ہر فعل پر اعتراضات کیے ہین۔ یہان تک کہ حضرت غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی بھی اُن کے قلم سے نہ بچ سکے۔ مگر اُنھون نے بھی نہین اعتراض کیا تو جنید بغدادی پر۔

اِس کے دو سبب تھے! ایک تو یہ کہ آپ پابند شرع اور پیرو سنت رسول اکرم صلعم تھے۔ آپ کا شمار فقرا اور صوفیہ ہی مین نہین بلکہ اعلیٰ درجے کے متبحر فقہا مین بھی تھا! ور دوسرا سبب یہ تھا کہ آپ رموز باطن کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ اور صرف اُنھین لوگون کو تعلیم دیتے تھے جو اس کے اہل تھے۔ اور وہ بھی خلوت مین سب سے الگ ہو کے اور دروازہ بند کر کے جیسا کہ آپ کے طرز تعلیم کے بیان مین بتایا جا چکا ہے۔

لیکن پھر بھی بعض مواقع پر لوگون نے آپ کے خلاف ہنگامہ پیدا کر ہی دیا۔ اور ضرر رسانی مین کوئی بات نہین اُٹھا رکھی! ابو بکر تلمسانی کا بیان ہے کہ آپ کے زمانے مین آبو دانیال نام ایک سربرآوردہ شخص تھا جس کا معمول تھا کہ جنید۔ رُدیم۔ سمنون۔ ابن عطا اور تمام مشائخ عراق کو الزام دیا کرتا! ور کسی کو اُن کا ذکر بھلائی سے کرتے سنتا تو اُسے غصہ آ جاتا۔ اور نہایت ہی

برہم ہو جاتا[۱]۔ اور اسی پر کیا موقوف ہے۔ معاصرین کے ہاتھوں بارہا یہ اتفاق پیش آیا کہ آپ کافر و زندیق قرار دیے گئے۔ ماخوذ ہوئے۔ اور لوگوں نے آ کے گواہیاں دین کہ ہمارے سامنے اُنھوں نے بیدینی و کفر کے کلمات زبان سے نکالے تھے[۲]۔ حالانکہ آپ کے تبحر اور علم و فضل کے سب معترف تھے۔ مگر سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ ابو مزاحم شیرازی نام ایک صوفی بزرگ کو بھی جو مملکت فارس کے مشائخ میں تھے ہم جنید اور اُن کے شاگرد رشید شبلی کے مخالف اور اُن پر معترض پاتے ہیں[۳]۔

انھیں مخالفتوں کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ جب آپ کے دامن میں کوئی اور دھبہ نہ لگایا جا سکا۔ اور کوئی ایسی بات نہ پا سکے جس پر آپ کو صریح الفاظ میں الزام دیا جائے تو خلیفۂ وقت کی وہ پری جمال لونڈی بھیجی گئی جسے جنید کی آتش غضب کی ایک لپک نے خاک میں ملا دیا۔

مگر سب سے بڑا حملہ اُس عہد کے صوفیوں پر یہ تھا کہ غلام خلیل[۴] نے خلیفہ معتضد باللہ عباسی کے دربار میں صوفیوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ زندیق اور بے دین ہیں۔ اور خلیفہ کا فرض ہے کہ اسلام کو ان کے فتنے سے بچائے[۵]۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی ابتدا ابو الحسین احمد بن محمد نوری سے ہوئی۔ اُنھوں نے بغداد میں کسی جگہ دیکھا تھا کہ لوگ شراب کے خم لیے جاتے ہیں۔ اور جوش دینداری سے از خود رفتہ ہو کے اُن خموں کو توڑ ڈالا تھا۔ لوگ خلیفۂ معتضد کے دربار میں پکڑ لے گئے۔ معتضد کی یہ حالت تھی کہ بات پیچھے کرتا تھا۔ اور گالی پہلے دیتا تھا۔ اپنی عادت کے موافق گالی دے کے ان سے کہا "تو کون ہے؟" انھوں نے

---

[۱] طبقات الکبری [۲] تلبیس ابلیس۔ لابن جوزی۔ [۳] نفحات الانس۔ [۴] غلام خلیل اس شخص کا لقب تھا۔ اور نام عبداللہ بن احمد باہلی تھا۔ علامۂ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں اس کا شمار طبقات صوفیہ میں کیا ہے۔ اور اُس کے تصانیف میں کتاب الاعانہ کتاب الانقطاع الی اللہ کتاب الصلوۃ اور ایک کتاب المواعظ بتائی ہیں۔ [۵] تلبیس ابلیس۔

برجستہ جواب دیا "محتسب" اُس نے پوچھا "اور تجھے محتسب کس نے بنایا؟" اُنھوں نے چھوٹتے ہی کہا "جس نے تم کو خلیفہ بنایا"۔ اسی کے پاداش میں اور سب صوفیۂ عراق اور اُن کے دوست احباب بھی ساتھ لیے گئے[۱]۔ یہ وجہ صرف صوفیۂ متاخرین نے بتائی ہے۔ حالانکہ مستند مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معتضد ایک پابند شرع اور محتاط خلیفہ تھا۔ بہر تقدیر اصلی بنیاد چاہے جو کچھ ہو۔ ہوا یہ کہ تمام صوفیہ کے قتل کیے جانے کا فرمان جاری ہو گیا۔ اس موقع پر جنید بغدادی تو یوں بچے کہ علامۂ ابو ثور کی شاگردی اور فقاہت اُن کے کام آ گئی۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو بجائے صوفی کے فقیہ ظاہر کیا اور فقہ ابو ثور کے مطابق فتوے دینے کا سلسلہ جاری کر کے سلطنت کے مواخذے سے بچ گئے۔ باقی اور سب صوفی جن میں۔ نوری۔ شحام۔ رقام وغیرہ مشاہیر وقت تھے گرفتار کر کے قتلگاہ میں لائے گئے۔ اب اِن سب کے قتل کا سامان ہو رہا تھا۔ اور جلاد تلوار برہنہ کر کے کھڑا ہو گیا تھا۔ کہ نوری نے سب سے پہلے آگے بڑھ کے سر جھکا دیا۔ جلاد نے متحیر ہو کے پوچھا "یہ بھی خبر ہے کہ کس لیے یہاں لائے گئے ہو؟" کہا "ہاں جانتا ہوں کہ قتل ہونے کو آیا ہوں"۔ پوچھا "تو پھر یہ جلدی کس لیے ہے؟" فرمایا "اس لیے کہ اپنے رفیقوں سے پہلے میری جان لیجائے۔ اور اُنھیں زندگی کے چند لمحے اور مل جائیں"۔ جلاد یہ جواب سن کے اور زیادہ حیران ہوا۔ اور یہ کیفیت خلیفہ معتضد کی خدمت میں عرض کرائی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ "اچھا یہ لوگ قاضی کے پاس بھیجے جائیں۔ تاکہ وہ اِن کے حالات و عقائد کی تفتیش کرے"۔ اس حکم کے مطابق یہ سب حضرات قاضی کے اجلاس میں پہونچائے گئے۔ قاضی نے ابو الحسن نوری سے فقہ کے چند مسائل پوچھے اُنھوں نے سب کا صحیح اور معقول جواب دیا۔

---

[۱] طبقات الکبری۔

اور جواب دینے کے بعد کہنے لگے "سُنیے قاضی صاحب۔ اللہ جل شانہ کے بعض ایسے بندے ہین جو اللہ ہی کی ذات سے قائم ہین۔ اور جب زبان کھولتے ہین تو اُسی کا ذکر کرتے ہین۔" اِس تقریر کا سلسلہ اُنھون نے مؤثر لہجے مین اور اس حد تک بڑھایا کہ قاضی کے آنسو جاری ہوگئے زار و قطار رونے لگا۔ اور بارگاہ خلافت مین یہ رپورٹ پیش کی کہ "اگر یہی لوگ زندیق ہین تو پھر میرے نزدیک روے زمین پر کوئی مسلمان نہین۔" قاضی کی رپورٹ دیکھ کے معتضد نے اپنا فرمان منسوخ کیا۔[عہ۱] اور یہ لوگ آزادی سے اپنے اپنے گھر آئے۔ لیکن شیخ نوریؒ کو معتضد کی جانب سے ایسا اندیشہ ہوگیا تھا کہ جب تک وہ ۲۸۹ھ مین آغوش لحد کے سپرد نہین کردیا گیا۔ وہ دار الخلافت بغداد سے دور ہی رہے۔[عہ۲]

گو اس واقعے سے سب کو جان بری حاصل ہوگئی مگر زمانے سے طرح طرح کے اندیشے بھی پیدا ہوگئے تھے۔ ہر وقت مخالفون کی سازش کا خوف لگا رہتا تھا۔ اور یہ بزرگ علانیہ طور پر اپنے اصول معرفت کی تلقین بھی نہین کرسکتے تھے۔

اِن اختلافات کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے تک علم ظاہر اور علم باطن مین لڑائی ہو رہی تھی۔ صوفیہ اصلاح باطن کی طرف جھک رہے تھے۔ اور ظاہرداری کی باتون کی طرف سے بے پروائی کرتے تھے۔ فقہا و محدثین اُن کی اِن باتون سے بھڑکتے اور اُنھین مشتبہ نگاہون سے دیکھتے تھے۔ ہنوز وہ زمانہ نہین آیا تھا کہ انسان کی زندگی مین دونون علمون کا محل و مقام مشخص کرکے یہ دونون علوم ظاہر و باطن ایک ہی شخص مین جمع کردیے جائین۔ اگرچہ جنید اپنی ذات سے علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ اور اسی وجہ سے مخالفانہ شور شون کا اثر ان پر ہلکا ہو کے پہونچتا تھا لیکن پھر بھی اُن کا میلان زیادہ تر معرفت تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کی طرف تھا۔

عہ۱ رسالۂ قشیریہ۔ عہ۲ طبقات الکبری۔

آخر چند روز بعد ان اہل باطن نے دنیا کو اپنے اسی فقیرانہ جہاد سے جسے وہ جہاد نفس کہتے تھے فتح اور مسخر کرلیا۔ اور یہ حالت ہوگئی کہ وہی علماے متبحر جو کفر و الحاد کے فتوے دیتے تھے اِن بے نفس اور بے ساز و سامان بزرگون کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ اور اُسیطرح اُن کی بارگاہ فیض مین حاضر ہوتے تھے جسطرح کہ اُن کا کوئی ادنے خادم حاضر ہوتا ہے۔ سچ کہتے ہین کہ "الحق یعلو ولا یُعلی" سچائی ہی فتحیاب ہوتی ہے۔ اسلام کی بعد کی تاریخ بتا رہی ہے کہ وہ تو ابتداے عہد کے چند ہی صوفی تھے جو حاکمون اور عالمون کے ہاتھ سے ستائے گئے لیکن بعد کے زمانے مین جب صوفیہ نے اپنا اصلی مرتبہ حاصل کرلیا تو ہزارہا مرتبہ یہ شان نظر آئی کہ ایک گلیم پوش درویش اور ایک خرقہ پوش صوفی کے سامنے بڑے بڑے متکبر سلاطین سر جھکاتے اور مستند و مرجع انام علماے گران پایہ اُن کے قدمون پر پیشانی رگڑ رہے ہین۔ ہان اس بات کا افسوس البتہ ہے کہ اُن کے فقیرانہ لباس مین بہت سے ہوس پرست اور سیاہ دل لوگ بھی دلق سالوس پہن کے زمانے کو فریب دے دیا کرتے ہین۔

فیض یابان صحبت اقران و تلامذہ

آپ کا روحانی فیض دنیاے اسلام مین آج تک جاری ہے۔ موجودہ مشائخ کے سلسلون اور شجرون کو دیکھیے تو اس بات پر حیرت معلوم ہوتی ہے کہ جو شمع معرفت آپ نے روشن کی تھی کتنے سینون مین روشن ہوئی۔ اور آج تک کس طرح برابر روشن ہوتی چلی آتی ہے۔ اس کا شمار خدا ہی جانتا ہے کہ کس قدر لاتعد و لاتحصیٰ مخلوق نے آپ کے روشن کیے ہوئے چراغ ہدایت کی روشنی مین عالم آخرت کا راستہ پایا۔ اور آج بھی پا رہے ہین قرون مابعد کے فیض یابون سے

قطع نظر کر لیجیے تو خاص مُریدوں اور شرفِ لقاء حاصل کرنیوالوں کا شمار بھی تھوڑا نہیں ہے۔ خود فرماتے ہیں: "دس ہزار صادق مُریدوں کو جنید کے ساتھ صدق کے طور پر لائے اور اُن سب کو معرفت کی راہ میں قہر کے سمندر میں غرق کر دیا۔ آخرکار ابوالقاسم جنید کو اوپر لائے اور ہماری ارادت کے آسمان کا آفتاب بنا دیا[49]۔"

لیکن ہمیں اس موقع پر صرف اُن مشہور خوش نصیب بزرگوں کے اسماءِ گرامی بتانے ہیں جنھیں آپ کی صحبت سے فیض اُٹھانے کا موقع ملا۔ اور آپ کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ ان میں آپ کے وہ معاصرین بھی ہیں جو اگرچہ آپ کے مرشد حضرت سری سقطی یا دیگر مشائخ ماسبق سے ارادت رکھتے تھے اور آپ کے دوست اور ہم صحبت تھے مگر آپ کے چشمۂ فیض سے بھی سیراب ہوئے۔ اور ان میں سے بعض تو آپ کی شاگردی کا اعتراف کرنا اپنا فخر خیال کرتے تھے۔

فیض یابوں میں صرف دو بزرگ ایسے ہیں جو آپ سے کچھ قرابت بھی رکھتے تھے یعنی ابوالورد کے دونوں بیٹے احمد اور محمد۔ ان دونوں کا شمار اعلیٰ طبقے کے گران پایہ مشائخِ باطن میں تھا۔ حضرت جنید سے قرابت بھی رکھتے تھے اور آپ کی صحبت سے فیض بھی اُٹھایا تھا۔ افسوس کہ اُن دونوں کا سنۂ وفات ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔ اور نہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جنید سے انھیں کیا قرابت تھی۔

ان کے علاوہ آپ کے ہم صحبتوں میں اکثر وہ لوگ تھے جو خود آپ کے مرشد سری سقطی یا کسی دوسرے بزرگ کے مرید اور آپ کے پیر بھائی تھے۔ اور آپ کے اقران میں شمار کیے جاتے تھے۔ مگر باوجود اس درجۂ مساوات کے آپ کے معتقد تھے۔ اور آپ کی خدمت میں نفع اُٹھانے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور ولی اللہ اور آپ کے

[49] تذکرۃ الاولیاء

رفیقِ صحبت ابوالحسین احمد بن محمد نوری تھے جن کے خلیفۂ معتضد کے ہاتھ سے ستائے جانے اور مع بہت سے صوفیوں کے واجب القتل ٹھہرائے جانے کا واقعہ بیان کیا جا چکا۔ یہ بڑے عالم و فاضل اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ سری سقطی اور محمد بن القصّار سے فیض اُٹھایا تھا۔ اُن کا چہرہ ایسا نورانی تھا کہ کہتے ہیں مسجد شونیزیہ میں رات کو جاتے تو وہاں کے چراغ کی روشنی اُن کے چہرے کے آگے ماند پڑ جاتی[50]۔ ۲۹۵ھ میں یا ۳۰۰ھ[51] میں سفرِ آخرت کیا۔ جنید کا پلہ علم میں بڑھا ہوا تھا۔ اور اُن کا وجد و حال میں۔ اور جنید کہا کرتے کہ "جب سے نوری مر گئے کسی نے سچائی کی حقیقت نہیں بیان کی[52]۔"

ابو عبداللہ عمرو بن عثمان مکّی۔ یہ ایک محترم محدث تھے۔ صحیح بخاری کی روایت کرتے تھے[53]۔ اور گو شوقِ علم انھیں بڑے بڑے علماء محدثین کی صحبت میں لے گیا ہوگا۔ مگر انھیں ناز اسی پر تھا کہ جنید بغدادی کی صحبت سے فیض اُٹھایا۔ حسین بن منصور حلاج جن کا انا الحق کا نعرہ بلند کرنے اور مصلوب ہونے کا واقعہ خاص و عام کی زبان پر ہے! اصلی شاگرد انھیں کے تھے۔ انھوں نے بھی جنید سے چھ سال پیشتر ۲۹۱ھ میں سفرِ آخرت کیا[54]۔ اور بعض کے نزدیک ۲۹۶ھ میں[55]۔

خیر نساج جن کی کنیت ابوالحسن تھی۔ اصلی وطن شہر سُر مَن رای تھا۔ مگر بغداد کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ ابوحمزہ بغدادی اور سری سقطی سے انھیں فیض حاصل ہو چکا تھا۔ نوری کے اُستاد تھے۔ ابوبکر شبلی اور خواص نے پہلے پہل انھیں کی خدمت میں حاضر ہو کے توبہ کی تھی۔ اور انھیں نے شبلی کو جنید کی خدمت میں بھیجا تھا[56]۔ ۱۲۰ برس کے ہو کے ۳۲۲ھ

[50] طبقات الکبری۔ [51] نفحات الانس۔ [52] رسالۂ قشیریہ۔ [53] نفحات الانس۔
[54] طبقات الکبری۔ [55] مرأۃ الجنان یافعی۔ [56] نفحات الانس۔ [57] طبقات الکبری۔

مین رہ نورد آخرت ہوئے۔ جنید کہا کرتے تھے کہ "خیرؑ خیرنا"[عہ۱]

ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز وطن بغداد تھا۔ اور تین گران پایہ اولیائے سلف یعنی ذوالنون مصری۔ سری سقطی۔ اور بشر حافی کی صحبت فیض سے شرفیاب ہوئے تھے۔ اپنے زمانے مین امام وقت اور شیخ زمانہ مانے جاتے تھے۔ اور حضرت جنید سے بیس برس پہلے سنہ ۲۷۷ھ مین انتقال کیا[عہ۲]۔ یہ بہت تیز چلتے تھے۔ جس کی بنا پر مرتعش کا قول تھا کہ ابوسعید خراز مین تھوڑا لنگ۔ واسطی مین تھوڑی نرمی اور جنید مین تھوڑی تیزی ہونی چاہیے" مگر اس کے ساتھ عقیدت کی یہ حالت تھی کہ کہتے "مین نے زندگی مین دو ہی صوفی دیکھے ایک جنید اور دوسرے ابن عطا"[عہ۳]

ابواسحاق ابراہیم بن احمد خواص جنید و نوری کے ہم صحبتون اور اقران مین تھے۔ طریقہ توکل پر چلنے مین اُن کو خاص شہرت و ناموری حاصل تھی۔ شہر رے مین سنہ ۲۹۱ھ مین انتقال فرمایا[عہ۴]۔

سمنون بن حمزہ جنید و نوری کے اقران اور ہم صحبتون مین تھے۔ یہ بہت ہی خوش رو بزرگ تھے اتفاقاً ایک عورت اُن پر عاشق ہو گئی۔ اس نے لاکھ بلایا۔ اور اپنی طرف کھینچا۔ مگر اِن کے دل کو تو کوئی اور ہی لو لگی ہوئی تھی۔ اُس کی صورت سے بھاگتے تھے۔ جب اُس کا اور کوئی زور نہ چلا تو حضرت جنید کے پاس آئی۔ کہ اپنے دوست سمنون کو مجھ سے راضی کر دیجیے آپ نے اُسے سمجھایا۔ اور جب اس پر بھی وہ باز نہ آئی۔ تو خفا ہوے۔ اور اپنے پاس سے اُسکو نکال دیا۔ آخر جب اُس کا کوئی زور نہ چلا تو غلام خلیل کے پاس جا کے تہمت لگائی کہ سمنون سے اور مجھ سے تعلق ہے۔ غلام خلیل تو اِن بزرگون کا دشمن ہی تھا۔ دربار خلافت مین یہ شکایت اور الزام پیش کر کے سمنون کے قتل کا حکم جاری کرا دیا۔ جلاد آیا۔ اور اُس نے آخری مرتبہ

عہ۱ نفحات الانس۔ عہ۲ طبقات الکبری۔ عہ۳ رسالہ قشیریہ۔ عہ۴ طبقات الکبری۔

خلیفہ سے قتل کی اجازت مانگی۔ مگر خلیفہ (غالباً معتضد باللہ) کی زبان قابو سے باہر ہو گئی۔ اور اُس نے لاکھ چاہا مگر اجازت کے الفاظ زبان سے نہ نکل سکے۔ مجبوراً کارروائی دوسرے روز پر اٹھا رکھی گئی۔ رات کو خلیفہ سویا تو خواب مین اُس سے کہا گیا کہ تیرے ملک کا زوال سمنون کے قتل سے وابستہ ہے۔ صبح کو اُٹھتے ہی اُس نے معذرت خواہ ہو کے رہائی کا حکم دیا۔ اور ان بیچارے کی اُس فتنے سے جان چھوٹی[عہ۱]۔ انھین سری سقطی کی زیارت بھی نصیب ہوئی تھی۔ اور جنید کے چند روز بعد انتقال ہوا[عہ۲]۔ مگر رسالۂ قشیریہ مین جو علامۂ شعرانی کا اصل ماخذ ہے سمنون کی وفات جنید سے پہلے بتائی گئی ہے۔ اور یہی ہمارے نزدیک قابل اعتبار ہے۔

ابوبکر احمد بن نصر زقاق کبیر جنید سے صحبت رہی تھی۔ اور مصر کے اعلیٰ مشائخ مین تھے اِن کا قول تھا کہ جس مین فقر کے ساتھ اتقا نہین وہ صرف حرام کھانا کھایا کرتا ہے۔ ان کا سنہ وفات تو نہین معلوم ہان اتنا جانتے ہین کہ انتقال سے مصر مین سناٹا ہو گیا تھا۔ اور ضرورت نہین باقی رہی تھی کہ کوئی صاحب دل درویش اُس سرزمین کی طرف رخ کرے[عہ۳]۔

مصعب بن احمد بن مصعب جو صوفی اور زاہد کے نام سے مشہور تھے۔ جنید سے صحبت بھی رہی تھی۔ اور آپ کے پیر بھائی بھی تھے۔ سنہ ۲۷۰ھ مین جنید کی وفات سے بہت پہلے سفر آخرت کیا[عہ۴]۔

ابوحمزہ محمد بن ابراہیم بزاز بغدادی یہ بھی جنید کے اقران مین تھے۔ اگرچہ فقیہ اور قرآن پاک کے بڑے عالم تبحر عالمون مین تھے۔ مگر شمار عباد و زہاد اور صوفیہ مین ہے۔ پہلے بغداد کی مسجد رصافہ مین وعظ کہا کرتے تھے۔ پھر مدینۂ طیبہ مین ہجرت کر گئے۔ اور مسجد نبوی مین وعظ کہنے لگے۔ ایک جمعہ کو مسجد نبوی مین وعظ کہتے کہتے منبر پر سے گرے۔ اور حالت متغیر ہو گئی۔ دوسرے جمعہ کو انتقال ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل کا معمول تھا کہ ہر فقہی مسئلہ پیش ہوتے وقت ان سے بھی پوچھ لیا

عہ۱ نفحات الانس۔ عہ۲ طبقات الکبری۔ عہ۳ رسالہ قشیریہ۔ عہ۴ ابن اثیر۔

کرتے اور کہتے "ماتقول یا صوفی"۔ ان کا انتقال بھی جنید سے پہلے ۲۸۹ھ مین ہوا[ع۵]۔

ابو جعفر بن الکرنبی۔ اِن کا شمار بھی جنید کے معاصرین اور نفع اٹھانیوالون مین ہے بعض لوگ انھین جنید کا اُستاد بتاتے ہین۔ اور انتقال بھی جنید کی زندگی مین ہوا ہے۔ جب اِن کی وصال کی گھڑی آئی۔ اور ان پر نزع کا عالم طاری تھا تو جنید سرہانے بیٹھے ہوے تھے۔ اتفاقاً جنید کا سر آسمان کیطرف اُٹھ گیا۔ ابو جعفر نے کہا "بہت دور ہے" یہ سُن کر جنید نے زمین کیطرف نظر جھکائی۔ ابو جعفر نے پھر وہی فقرہ کہا "کہ بہت دور ہے" مطلب یہ تھا کہ وہ خلاق عالم بہ نسبت اس کے بہت زیادہ قریب ہے کہ اُس کی طرف اشارہ کیا جائے[ع۶]۔

ابو عمرو حماد قریشی بغدادی۔ جنید کبھی کبھی اُن کے پاس جایا کرتے تھے جعفر خلدی کہتے ہین۔ مین ایک دن اُن سے۔ ملنے کو گیا۔ وہ نہ تھے بیٹھ کے انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر مین جب وہ آئے تو مجھے لے کے اپنے حجرے مین گئے۔ اتفاق سے اُن کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بی بی کا مقنعہ لیجا کے بیچا۔ اور کھانا لے کے آئے تھے۔ اُسے ہم سب کھانے کو بیٹھے ہی تھے کہ ایک شخص نے تیس اشرفیان (دینار) لاکے پیش کین۔ انھون نے یہ رقم دیکھ کے بہت پیچ و تاب کھایا۔ اور آخر قسم کھا گئے کہ نہ لون گا۔ بی بی اِن باتون کو سُن رہی تھین چلائین کہ "آج ہی میرا مقنعہ بیچ کے کھانا لائے ہین"۔ یہ ماجرا دیکھ کے جعفر خلدی جنید بغدادی کے پاس آئے۔ اور اُن سے کیفیت بیان کی۔ جنید نے اُنھین بلا بھیجا۔ اور کیفیت دریافت کی۔ فرمایا "جب مین نے بازار مین مقنعہ لیجا کے دلال کو دیا ہے۔ اور اُس نے اُسے بیچا تو میرے کان مین ہاتف غیب کی آواز آئی کہ "یہ کام تم نے میرے لیے کیا ہے۔ اس لیے اس کا جواب بھی تم کو ملجائیگا۔ وہ جواب میرے خیال مین یہی دینار تھے"۔ یہ سُن کے جنید نے کہا تو تم نے اچھا کیا جو

ع۵ طبقات الکبری۔ ع۶ نفحات الانس۔

اس رقم کو نہ لیا"۔ اُن کے انتقال کا زمانہ ہمین نہین معلوم ہو سکا[ع۷]۔

ابو محمد رویم بن احمد بغدادی۔ فقہ داؤد اصفہانی کے فقیہ بڑے گران پایہ بزرگ اور جنید کے نامور اہل صحبت مین تھے۔ حضرت جنید نے اپنے مرید و خادم ابو عمرو زجاج کو انھین کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا۔ کیونکہ ان کی ظاہری حالت ایسی تھی کہ رمز توحید کے ناآشناؤن کے دل مین بدظنی پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ رویم ایک دن بغداد کی گلیون مین پھر رہے تھے۔ راستے مین پیاس لگی۔ ایک مکان کے دروازے پر ٹھہر کے پانی مانگا۔ اندر سے ایک لڑکی آبخورہ لیے ہوئے آئی۔ اور اِن کی صورت دیکھ کے بولی "صوفی اور دن کو پانی پیے!" اس جملہ نے کچھ ایسی غیرت دلائی کہ پھر کبھی انھون نے روزہ نہ چھوڑا۔ اور صائم الدھر رہے۔ حضرت جنید کے پانچ چھ برس بعد ۳۰۳ھ مین وفات پائی[ع۸]۔ رویم اگرچہ جنید کے دوست تھے۔ مگر جوش عقیدت سے اپنے آپ کو اُن کا شاگرد اور مرید بتایا کرتے تھے۔

ابو الحسن علی بن سہل اصفہانی۔ اِن سے جنید سے اکثر خط و کتابت رہتی تھی بڑے نیک نفس بزرگون مین تھے۔ معمول تھا کہ اکثر چپکے ہی چپکے اور چھپ چھپ کے لوگون کے قرض کا پتہ لگاتے۔ اور جب معلوم ہو جاتا تو حتی الامکان بغیر انھین خبر کیے اپنے پاس سے قرض ادا کر دیتے۔ اور پھر جا کے اُن سے کہتے کہ "خدا نے تمھین قرض سے سبکدوش کیا"۔ یہ نہین معلوم کب وفات پائی۔

ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی۔ انھون نے بڑی عمر پائی۔ ذوالنون مصری کی صحبت اٹھائی تھی۔ ادیب اور عالم تھے اور اپنے زمانے مین رے کے شیخ تھے۔ جنید سے اِن سے نہایت ہی عمدہ مراسلت ہوتی تھی۔ اور جنید نے انھین لکھا تھا کہ "خدا تمھین اپنے نفس کا مزہ نہ چکھائے

ع۷ نفحات الانس۔ ع۸ رسالہ قشیریہ۔ ع۹ طبقات الکبری۔

اس لیے کہ اگر تم نے یہ مزہ چکھ لیا تو پھر اُس کے بعد کبھی بھلائی کا مزہ نہ چکھو گے" ۳۳۴ھ مین انتقال فرمایا۔[۱]

ابوالعباس احمد بن محمد ادمی۔ بڑے مشہور مشائخ مین تھے۔ قرآن کی رمز فہمی اور اُس کے معانی و مطالب[۲] بیان فرمانے مین خاص ناموری رکھتے تھے۔ تصوف کی نسبت کہا کرتے تھے "وہ ایک اخلاق ہے[۳] جس کا اہل مین نے جنید اور ابن عطاء کے سوا کسی کو نہین پایا"۔ اور جنید کی نسبت فرمایا کرتے "اماسنا فی ہذا العلم و مرجعنا المقتدیٰ بہ الجنید" یعنی اس علم (باطن) مین ہمارے امام اور وہ مرکز جن کی پیروی کی جائے جنید ہین[۴]۔ ۳۰۹ھ یا ۳۱۱ھ مین سفر آخرت کیا۔[۵]

ابوحمزہ خراسانی نیشاپوری یہ بھی جنید بغدادی کے اقران معاصرین اور اُن کی صحبت پانے والون مین تھے۔ بڑے نیک پارسا اور پرہیزگار تھے جنید بغدادی زندہ موجود تھے کہ ۲۹۰ھ مین اِن کا انتقال ہو گیا[۶]۔ طبقات الکبریٰ مین امام احمد بن حنبل کا مسائل فقہی پوچھنا ان کی طرف بھی منسوب کر دیا گیا۔ حالانکہ جن بزرگ سے امام احمد مسئلے پوچھتے وہ ابوحمزہ بغدادی تھے۔ علیٰ ہذا القیاس[۷] اِن کا سال وفات ۲۹۰ھ بتایا ہے۔ مگر ہم رسالۂ قشیریہ کو زیادہ قابل وثوق خیال کرتے ہین۔

ذوالنون قراقلیج مجنون یہ بھی اُس زمانے کے ایک صاحب باطن بزرگ تھے۔ جو بظاہر مجنون نظر آیا کرتے۔ ایک دن جنید اُن کے پاس گئے۔ اور پوچھا بتائیے "آپ مجنون کیونکر ہو گئے؟" جواب دیا "مین دنیا مین قید کیا گیا تو اُس کے (اپنے اصلی وطن عالم آخرت کے) فراق مین مجنون ہو گیا"۔[۸]

ممشاد دینوری یہ بھی جنید کے مشہور معاصرون مین تھے ۲۹۹ھ مین انتقال ہوا۔[۹]

ابوالحسن بن علی مسوحی اِن کو لوگون نے جنید کے اساتذہ مین شمار کیا ہے۔ مگر وہ اپنے اس شاگرد کے کمال کے اس درجہ معترف تھے کہ ایک بار جنید نے "انس" کے بیان مین کچھ تقریر کی تو

[۱] نفحات الانس [۲] طبقات الکبریٰ [۳] نفحات الانس۔ [۴] طبقات الکبریٰ [۵] رسالۂ قشیریہ۔ [۶] نفحات الانس۔ [۷] رسالۂ قشیریہ۔ طبقات الکبریٰ مین اِن کا سنہ وفات ۲۹۷ھ بتایا گیا ہے ۱۲

از خود رفتہ ہو کے کہ اُٹھے "ہاے! آسمان کے نیچے جتنے جاندار ہین سب مر جائین تو بھی یہ تقریر سُننے کے بعد میرے دل کو وحشت نہ ہو"۔ سنہ وفات نہین معلوم۔

اسی طرح ابواحمد قلانسی یعقوب مزبّل اور ابویعقوب اقطع کے نام بھی آپ کے اقران و معاصرین مین بتائے گئے ہین[۱]۔ ابویعقوب مکۂ معظمہ مین تھے۔ مگر آپ سے نامہ و پیام رہتا تھا۔

آپ کے شاگردون اور آپ کی صحبت سے فیض اُٹھانے والے مریدون مین سے سب کے پہلے ۳۰۶ھ مین قاضی فقیہ ابوالعباس احمد بن عمر بن شریح نے انتقال فرمایا۔ جو ایک دفعہ آپ کا وعظ سُن کے معتقد اور مرید ہو گئے تھے۔ اور جب مجلس وعظ مین فصاحت و بلاغت کا جوہر دکھاتے تو کہتے کہ یہ "صرف جنید بغدادی کی صحبت کا فیض ہے"۔ فقہ مین اُنھین امام شافعی سے یون فیض پہونچا تھا کہ وہ قاسم انماطی کے شاگرد تھے۔ انماطی نے امام مُزنی سے علم حاصل کیا تھا۔ اور مُزنی امام شافعی کے ارشد تلامذہ مین تھے۔ ابن شریح اس پائے کے مصنف تھے کہ چار سو کتابین تصنیف کین اور فقہ شافعیہ کو اُن کی ذات سے اس قدر تقویت ہوئی کہ ائمۂ شافعیہ مین اُن کا درجہ لوگ خود مُزنی سے بڑھ کے بتاتے ہین۔ محمد بن داؤد ظاہری سے اُن سے مناظرہ بھی رہا تھا۔[۲]

ابومغیث حسین بن منصور حلاج جن کا نعرۂ انا الحق بلند کر کے دار پر چڑھنا عوام و خواص خصوصًا شعرا مین انتہا سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ بھی حضرت جنید کے فیض یافتہ صحبت مین تھے۔ فارس کے شہر بیضا مین پیدا ہوئے عراق کے شہر واسط مین نشو و نما ہوا۔ اور بغداد کے پھاٹک باب الطاق پر ۳۰۹ھ مین ہاتھ پاؤن کاٹ کے نہایت بے رحمی سے مارے گئے۔[۳] اُن کی نسبت مورخین اور علماے سیر مین بڑا اختلاف ہے بعض اُنھین ایک پاک باطن شیخ زمانہ بتاتے ہین۔ اور بعض ایک ملحدانہ خیال کا باغی اور سلطنت کا مخالف و دشمن۔ مگر ان امور کو خدا نے چاہا تو ہم اُنھین کی

[۱] نفحات الانس [۲] مرأۃ الجنان یافعی [۳] ابن خلکان ۱۲

ایک جداگانہ لائف مین تفصیل سے بیان کرین گے۔

ابو محمد احمد بن محمد حریری[عہ]۔ اِن کا شمار جنید کے نامور مریدین اور اصحاب مین ہے۔ مرتے وقت تک یہ آپ کی خدمت مین رہے۔ اور یہی آپ کے بعد آپ کی سجادہ نشینی کی عزت سے مشرف ہوئے اور ۳۱۱ھ مین سفر آخرت اختیار کیا[عہ]۔

ابو اسحٰق ابراہیم رقی۔ انھین ابو عثمان حیری کی بھی صحبت حاصل ہوئی تھی جو نیشاپور مین اقامت گزین تھے۔ مگر جنید سے بھی بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا۔ علاوہ باطنی کمالات کے علوم ظاہری مین بھی ممتاز تھے۔ ۳۲۰ھ سے پیشتر ہی اُنھون نے دنیا کو رخصت کیا[عہ]۔

ابو بکر محمد بن موسٰی واسطی۔ اصلی وطن خراسان کا شہر فرغانہ تھا۔ جنید اور نوری کی بابرکت صحبتون سے فیض باطنی حاصل کیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک عالی مرتبہ عالم بھی تھے۔ چنانچہ اصول تصوف مین اِن سے زیادہ مباحث کسی نے نہین لکھے۔ جوانی ہی مین بغداد کو خیرباد کہہ کے چلے گئے اور مرو مین اقامت اختیار کر لی۔ اور وہین ۳۲۰ھ مین انتقال فرمایا[عہ]۔

ابو بکر احمد بن محمد سعدان بغدادی۔ اُنھون نے بھی جنید و نوری کی صحبت سے فیض اُٹھایا تھا۔ اور علوم ظاہر و باطن مین تبحّر رکھتے تھے۔ مگر افسوس ان کا سنہ وفات نہین معلوم۔

ابو علی احمد بن محمد رودباری نشو و نما تو بغداد مین ہوا تھا۔ مگر مصر مین اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جنید بغدادی سے صحبت رہی تھی۔ علم باطن کے شیخ ہونے کے علاوہ ایک عالی مرتبہ محدث اور حافظ حدیث تھے۔ فخریہ کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنے اُستادون پر ناز ہے۔ کیونکہ تصوف مین میرے اُستاد جنید بغدادی تھے۔ فقہ مین ابو العباس شریح تھے۔ (جو جنید کا وعظ سُن کے اُن کے شاگردون مین داخل ہو گئے تھے) ادب مین ثعلب تھے۔ اور حدیث مین ابراہیم حربی ۳۲۱ھ مین

عہ کسی نے حریری لکھا ہے اور کسی نے جریری۔ ہم نہین کہہ سکتے کہ صحیح کیا ہے عہ رسالہ قشیریہ عہ طبقات الکبری عہ رسالہ قشیریہ

رہ نورد عالم بالا ہوئے۔

ابو بکر محمد بن علی الکتانی بغداد کی خاک سے پیدا ہوئے جنید نوری ابو سعید خراز کی صحبت سے برکت حاصل کی۔ اور ہجرت کر کے مکۂ معظمہ مین چلے گئے۔ اور وہان کے مشہور شیوخ مین سمجھے جانے لگے۔ چنانچہ مرتعش کہا کرتے تھے کہ "الکتانی سراج الحرم" یعنی کتانی شمع حرم ہین۔ ۳۲۲ھ مین خاص مکہ مین انتقال ہوا۔

ابو محمد عبداللہ بن محمد مرتعش نیشاپوری۔ انھین خراسان اور عراق کی دونون مشہور باطنی درسگاہون سے فیض پہونچا تھا کیونکہ ابو حفص ابو عثمان اور جنید بغدادی کی صحبتون سے برکتین حاصل کی تھین نیشاپور کے محلۂ حیرہ کے رہنے والے تھے۔ وطن سے فیض روحانی حاصل کرنے کے بعد عراق کی راہ لی اور بغداد مین آ کے جنید کی صحبت مین باریاب ہوئے۔ یہان یہ خاص مسجد شونیزیہ مین رہا کرتے تھے۔ جو اہل باطن اور مشائخ طریقت کا مرکز بنی ہوئی تھی لوگ کہا کرتے تھے کہ بلحاظ تصوف بغداد مین تین عجیب و غریب لوگ ہین شبلی اشارات مین مرتعش مکاشفات مین اور جعفر خلدی حکایات مین ۳۲۸ھ مین سفر آخرت کیا۔

ابو الحسن علی بن محمد مزین۔ انھون نے صحبت جنید سے فیض اٹھایا تھا۔ اتقا و پرہیزگاری مین مثل نہ رکھتے تھے۔ آخر یہ بھی ہجرت کر کے حرم محترم مکہ مین جا بسے اور وہین ۳۲۸ھ مین انتقال ہوا[عہ]

ابو یعقوب اسحٰق بن محمد نہرجوری۔ یہ بھی حضرت جنید کے باغ علم کے خوشہ چینون مین ہین کمال حاصل کرنے کے بعد حرم محترم مکہ مین ہجرت کر گئے اور وہین ۳۳۰ھ مین پیوند زمین ہوئے[عہ]۔

ابو بکر دلف بن جحدر شبلی یعنی مشہور شبلی بغدادی اِن کا خاندان تو خراسان کی علاقۂ اُسروشنہ کا تھا۔ مگر بغداد مین پیدا ہوئے اور وہین نشو و نما پایا خیر نساج کی صحبت مین حاضر ہو کے توبہ کی

عہ رسالہ قشیریہ عہ طبقات الکبریٰ ج

پھر جنید بغدادی کے مکتب روحانی مین حاضر ہو کے فیض باطن حاصل کرنے لگے فقط صوفی ہی نہین فقہ مالکی کے فقیہ بھی تھے۔ حدیثین بھی بہت لکھین ستاسی برس کی عمر پا کے ۳۳۴ھ مین رہ نورد عالم آخرت ہوے۔ اور بغداد کے مقبرۂ خیزران مین دفن ہوئے۔ عہ ان کے حالات ہم عنقریب ایک جداگانہ کتاب مین شائع کرین گے۔

ابو سعید ابن احمد بن محمد بن زیاد اعرابی بصرہ وطن تھا۔ بغداد مین حضرت جنید کی مریدی و شاگردی سے فیض اُٹھایا۔ نوری عمرو بن مکی مسوحی اور ابو جعفر حداد کے نفوس قدسیہ سے برکتین حاصل کین۔ اور ہجرت کرکے مکّے چلے گئے۔ جہان شیخ الحرم بنے اور ۳۴۱ھ مین سفر آخرت کیا۔

ابو عمرو محمد بن ابراہیم زجاجی ان کا وطن نیشاپور تھا۔ جہان ابو عثمان کی صحبت فیض مین پہونچے پھر بغداد مین آکے جنید کے مریدون مین شامل ہوئے اور اُن کی خدمت کرنے لگے نوری رویم اور خواص کی صحبتون سے بھی فیض پایا۔ یہی ہین جنھین جنید بغدادی نے رویم کی خدمت مین جانے سے منع فرمایا تھا۔ اور انھین کو سفر حج کے لیے کمر باندھتے وقت ایک بابرکت درہم دیا تھا۔ پھر ہجرت کر کے مکۂ معظمہ مین اقامت گزین ہو گئے۔ تقریباً ۶۰ حج کیے۔ مکہ مین شیخ الحرم قرار پائے۔ اور ۳۴۸ھ مین عالم آخرت کی راہ لی۔ عہ

ابو محمد جعفر بن محمد بن نصر خواص بغداد مین پیدا ہوئے اور وہین پرورش ہوئی جنید کی صحبت مین پہونچے اور اُن کی درس گاہ باطنی مین زانوے ارادت تہ کر کے کمال روحانی حاصل کیا۔ جنید نے انجیر وزیری اُنھین سے منگوائے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا۔ نوری۔ رویم سمنون اور جریری کی صحبت ہاے فیض سے بھی نفع اُٹھایا۔ بغداد ہی مین ۳۴۸ھ مین وفات پائی۔ عہ اور شونیزیہ مین جنید اور سری سقطی کی قبرون کے پاس مدفون ہوئے۔ یہ اگرچہ بغداد ہی مین پیدا ہوئے

عہ رسالۂ قشیریہ۔ عہ طبقات الکبری۔ عہ رسالۂ قشیریہ ۱۲

وہین رہے۔ اور وہین پیوند زمین ہوئے۔ مگر حتی الامکان حج ناغہ نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ انھون نے بغداد کی سکونت ہی مین ساٹھ حج کر لیے۔ ان کے پاس مشائخ صوفیہ اور علماے باطن کے تصانیف و تحریرات کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔

ابو بکر کسائی دینوری۔ انھون نے حضرت جنید کی وفات سے پیشتر ہی انتقال فرمایا اور اگرچہ اقران و امثال مین تھے مگر شاگردون اور مریدون کی طرح حضرت جنید سے فائدۂ روحانی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھون نے ہزار مسئلے لکھ کے دریافت کیے تھے۔ اور جنید نے اُن سب کے جواب تحریر فرمائے تھے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا۔

ابو محمد عبداللہ بن عطا رازی نیشاپور وطن تھا۔ اور جنید سے ارادت رکھنے کی بدولت بغداد اُن کی درس گاہ باطن تھا۔ جنید بغدادی کے علاوہ اپنے وطنی شیخ باطن ابو عثمان حیری سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور بغداد مین آکے رویم و سمنون کی صحبتون سے بھی فیض اُٹھایا۔ حدیث کے بڑے متبحر عالم تھے۔ تقویٰ و ثقاہت مین ممتاز تھے۔ اور جب تصوف کا شوق ہوا تو حیرت انگیز ریاضتین کین۔ اور ۳۵۳ھ مین داعی اجل کو لبیک کہی۔ عہ

ابو الحسن علی بن بندار بن حسین صوفی صیرفی اصول تصوف کے بڑے گران پایہ عالم اور نیشاپور کے معظم ترین مشائخ مین تھے۔ اور انھین جیسے جیسے اولیاء اللہ اور مشائخ کی صحبت اور زیارت نصیب ہوئی تھی کسی کو کم نصیب ہوئی ہے۔ نیشاپور مین ابو عثمان اور محفوظ کو دیکھا۔ بغداد مین جنید، رویم، سمنون۔ ابن عطا اور جریری کی زیارت کی شام مین مقدسی اور ابن جلاء کی صحبت مین پہونچے۔ اور مصر مین ابو بکر مصری زقاق اور رودباری سے ملے۔ اور ۳۵۹ھ مین داعی حق کو لبیک کہی۔ عہ

عہ طبقات الکبری۔ عہ نفحات الانس ۱۲

ابو عمرو اسماعیل بن نجید سلمی شیخ خراسان ابو عثمان سے فیض صحبت اٹھایا! در اُن کے ممتاز و مخصوص اصحاب مین شمار کیے جاتے ہین. مگر بڑی خوش نصیبی کی یہ بات تھی کہ جنید سے ملنے اور اُن کی متبرک صورت کی زیارت کرنے کی عزت بھی حاصل ہوئی تھی. ثقہ تھے۔ اور روایت حدیث کرتے تھے۔ ۳۶۶ھ مین سفر آخرت کیا۔[ع]

مذکورۂ بالا مشہور بزرگون اور نامور مشائخ کے علاوہ مندرجۂ ذیل بزرگون کے نام بھی آپ کے حالات مین آگئے ہین. مگر افسوس کہ اُن کے جداگانہ حالات ہمین طبقات الکبری وغیرہ مین نہین ملے۔ کہمش بن الحسین جو ہمدان کے شیوخ مین تھے۔ جنید کو روحانی قوت سے اپنے شہر مین اور اپنے دروازے پر پہونچ جاتے دیکھا تھا۔ ابن شاہین جنھون نے آپ سے لفظ مع کے معنی پوچھے تھے۔ ابن عطا جو آپ کی وفات کے وقت آپ کے بچھونے کے پاس موجود تھے۔ ابو عبداللہ مکانسی جن کے سامنے وہ بیتاب عورت آئی تھی جس کا بیٹا کھو گیا تھا۔ ابو حاتم عطار حماد قرشی مُومل جصاص۔ وغیرہ۔

یہی لوگ ہین جن کے ذریعے سے حضرت جنید کا روحانی فیض نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہونچا ہے۔ اور مولنا حالی نے آجکل کے مشائخ کی حالت دکھا کے اگرچہ بہت صحیح لکھا ہے کہ

یہ ہین جادہ پیمائے راہِ طریقت
اُنھین پر ہے ختم آج کشف و کرامت
مقام ان کا ہے ماورائے شریعت
انھین کے ہے قبضے مین بندون کی قسمت
یہی ہین مراد اور یہی ہین مرید آب
یہی ہین جنید اور یہی بایزید آب

مگر یہ بھی کیا کم ہے کہ اُن کے نام لیوا تو ہین

ع[ع] طبقات الکبری۔

وفات

جن بزرگون نے روحانی ترقی حاصل کر کے اپنے آپ کو اُس ذات ابدی و سرمدی سے وابستہ اور اُس کے وجود مین محو کر دیا ہے اُن کے لیے موت نہین کیونکہ وہ اپنی ہستی کو زندگی ہی مین مٹا کے جس ہستی سے قائم ہو گئے ہین اُس کے لیے نہ موت ہے نہ فنا لیکن ہان ان بزرگون مین موت ایک دلچسپ اور پسندیدہ تغیر حالت یا ایک روحانی سیر کا نام ہے کہ یہان سے اُٹھے اور وہان چلے گئے. یا جس طرح قطرہ دریا مین مل کے بظاہر فنا ہو جاتا ہے اُسی طرح اپنا دنیوی تشخص چھوڑ کے اُس نور محض کے ناپیدا کنار سمندر مین پہونچ گئے اور اسی لیے صوفیہ موت کو موت نہین بلکہ انتقال یا وصال کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین

جب آپ کے وصال کا زمانہ قریب ہوا! ور مرض نے اپنا زور دکھا دکھا کے دوستون اور فیض پانیوالون کو ڈرانا شروع کیا تو ابو محمد حریری نے جو مریدین خاص مین تھے اور آپ کے بعد آپ کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے حاضر ہو کے عرض کیا "آپ کچھ فرمانا چاہتے ہین؟" فرمایا "ہان مین مرجاؤن تو نہلا کفنا کے میری نماز پڑھ دینا" یونان کے اخلاقی و روحانی حکیم دیوجانس کلبی کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ سکندر نے پاس کھڑے ہو کے پوچھا "مجھ سے کچھ چاہتے ہو؟" تو اُس نے جواب دیا کہ "ہان اِس قدر کہ ذرا میری دھوپ چھوڑ کے اُدھر کھڑے ہو جائیے" ہم سمجھتے ہین کہ انتقال کرتے وقت جنید کی یہ وصیت اُس سے کم پر لطف و بلیغ نہین ہے۔ کیونکہ انھون نے وہی باتین بتائین جو پس ماندون پر فرض تھین! ور جن کو وہ ہر طرح بجا ہی لاتے۔ یہ جواب سُن کے حریری اور سب لوگ جو پاس کھڑے تھے رونے لگے۔ اتنے مین آپ نے فرمایا "ایک اور بات بھی چاہتا ہون" پوچھا "وہ کیا؟" ارشاد ہوا "میرے دوستون کے لیے دعوت ولیمہ کا سامان مہیا رکھنا تاکہ مجھے دفن کر کے جیسے ہی واپس آئین کھانا کھلا دیا جائے" یہ سُن کے حریری پر اور

نہ یادہ رقت طاری ہوئی۔ زار و قطار روئے اور بولے "خدا کی قسم اگر یہ آنکھیں (جنید کی) بند ہو گئیں تو پھر کبھی ہم دو آدمی ایک جگہ جمع نہ ہوں گے" اور ایسا ہی ہوا مشائخ صوفیہ کی صحبت کا مرجع و مرکز آپ کی ذات تھی آپ کی وفات کے ساتھ ہی بغداد کے اہل ذوق کا وہ مجمع ٹوٹ گیا۔ اور گو بڑے بڑے اہل دل ولی اللہ پیدا ہوئے۔ مگر جنید کے زمانے کی سی پاک و صاف صحبت اولیا پھر آنکھوں کو دیکھنا نہ نصیب ہوئی۔ چنانچہ ابو جعفر فرغانی کہتے تھے کہ "بخدا ے لائزال ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ حریری نے کہا تھا وہ سارا مجمع حضرت شیخ ہی کی برکت اور اُن کے ہم میں موجود ہونے کے باعث تھا۔[ع۵]

اسی مرض موت میں جب کہ بالکل وقت اخیر تھا ابن عطاء عیادت کو آئے۔ اور بچھونے کے پاس ٹھہر کے سلام کیا۔ جواب میں آپ کی طرف سے ذرا تاخیر ہوئی پھر آہستہ سے جواب سلام فرمایا اور معذرت خواہ ہوئے کہ اس تاخیر کو معاف کیجیے۔ اِس لیے کہ مجھ پر اس وقت ایک خاص حالت طاری تھی جب وہ رفع ہوئی تو میں آپ کی طرف توجہ کر سکا"۔

انتقال فرماتے وقت وصیت کر دی کہ "میرے تمام تصانیف اور وہ سارا کلام جو میرا کہا جاتا ہے میرے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیا جائے"۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا "دنیا میں رسول اللہ صلعم کے علم کے موجود ہوتے ہوئے میں نہیں پسند کرتا کہ کوئی ایسی تحریر چھوڑ جاؤں جو میری جانب منسوب ہو"۔[س۵] اللہ اکبر! کیا احتیاط تھی! اور کیا لوگ تھے! اُن کی اس احتیاط کو دیکھو کہ سوا حدیث نبوی کے اپنی کسی چیز کو حجت بنا کے مسلمانوں میں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد اُن صدہا ملفوظات کو دیکھو جن کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ اُن آخری صدیوں میں متاخرین صوفیہ نے جمع کر دیا ہے۔

اب آپ کے وصال کا زمانہ آپہونچا۔ جمعہ کا متبرک دن تھا! اور بغداد میں

ع۵ طبقات الکبری۔ عہ۵ رسالۂ قشیریہ۔ س۵ طبقات الکبری۔

نوروز معتضدی[ع۵] کے جشن منائے جا رہے تھے کہ آپ پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ بجائے اِس کے کہ آپ مرض کی تکلیف سے کراہتے یا اپنے دنیا سے جانے پر یاس و حسرت کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتے اس نازک گھڑی میں آپ نے تلاوت قرآن شروع کر دی! استحضار کی حالت نے طول کھینچا اور آپ نے پورا قرآن مجید اول سے آخر تک پڑھ کے پھر سرے سے شروع کر دیا۔[عہ۵]

ابو محمد حریری حاضر ہی تھے۔ کلام الٰہی میں آپ کا یہ انہماک دیکھ کے پوچھا "ابو القاسم ضعف و ناتوانی کی یہ حالت ہو رہی ہے اور آپ برابر تلاوت کیے جاتے ہیں!" جواب دیا "مجھ سے زیادہ قرآن پڑھنے کا کسے حق ہو سکتا ہے؟ اس لیے کہ وہ اللہ جل شانہ میرے صحیفۂ عمری کو لپیٹ رہا ہے جو کچھ کر سکوں کر لینا چاہیے"۔[س۵]

اب دوبارہ قرآن پاک شروع کیا تو اگرچہ طاقت جواب دے چکی تھی۔ مگر تلاوت سے زبان نہ رکتے تھے۔ سورۂ بقر کی ستر آیتوں تک پڑھنے پائے تھے کہ روح پرواز کر گئی۔[لله۵] اور دنیا اُس منبع فیض سے خالی ہو گئی جس کے روحانی فیض قیامت تک جاری رہیں گے۔ اور جس کے

ع۵ جس طرح ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو محاصل کا زمانہ معین کرنے کے لیے قدیم ہندی سنہ شمسی اختیار کرنا پڑا اسی طرح خلافت عباسیہ کو مجبور ہونا پڑا تھا کہ ایرانیوں کے قدیم شمسی سنہ سے کام لے چنانچہ معمول تھا کہ مجوس کے یوم نوروز سے تحصیل وصول کا زمانہ شروع ہو جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجوس کا یوم نوروز مسلمانوں کے لیے بھی ایک ممتاز اور خاص خوشی کا دن قرار پا گیا تھا۔ یہاں تک کہ معتضد باللہ عباسی نے ۲۸۲ھ میں یعنی اپنی تخت نشینی کے چوتھے سال تمام ملک میں اور کل والیان ملک کے نام فرمان جاری کیے کہ بجائے نوروز مجوس کے ۱۱۔ خرداد سے تحصیل وصول کا زمانہ شروع کیا جائے اور یہ دن مسلمانوں میں نوروز سمجھا جائے جس کا نام اُس نے نوروز معتضدی رکھ دیا۔ اس کے بعد بھی یہ نوروز عباسیہ میں ہمیشہ منایا گیا۔ عہ۵ ابن خلکان۔ س۵ رسالۂ قشیریہ۔ لله۵ ابن خلکان۔

باطنی انوار رہتی دنیا تک اہل دل کے سینون مین حقیقت و معرفت کی شمعین روشن کرتے رہین گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سنہ وفات مین تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض ۲۹۷ھ بتاتے ہین۔ اور بعض ۲۹۸ھ علامہ ابن خلکان نے اگرچہ ۲۹۸ھ والی روایت کو ضعیف خیال کیا ہے مگر بعض دیگر قدیم اور مستند اہل تصانیف کے بیان سے زیادہ قابل وثوق یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا وصال ۲۹۸ھ مین ہوا۔ جمعہ کے دن سہ پہر کو آپ نے سفر آخرت کیا تھا۔ اس لیے اس دن نہ کل مریدین جمع ہو سکے اور نہ تجہیز و تکفین کا سامان ہو سکا۔ دوسرے دن ہفتہ کو غربی بغداد یعنی دریائے دجلہ کے مغرب جانب کی آبادی کے اندر قبرستان شونیزیہ مین اپنے ماموں اور مرشد حضرت سری سقطی کے پہلو مین آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔[ع۵] آپ کا مزار پُرانوار آجتک بغداد مین مشہور اور مرجع انام ہے۔ جہان لوگ زیارت کو آتے اور برکتین حاصل کرتے ہین۔

آپ کے خلیفہ اور آپ کے سجادے پر بیٹھنے والے حریری کا بیان ہے کہ جنید بغدادی کے پڑوس مین ایک گھورا تھا جہان ایک مجنون شخص پڑا رہا کرتا تھا۔ اُنھین مٹی دینے کے لیے ہمارے ساتھ وہ بھی قبرستان مین گیا۔ مگر بعد فراغت دفن جب ہم پلٹے تو وہ قدم بڑھا کے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور مجھ سے کہا "ابو محمد حریری کیا تمھارا خیال ہے کہ اپنے اس سردار کو ہاتھ سے کھونے کے بعد مین پھر اُس گھورے پر جاؤن گا؟" اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ؎

واسفا من فراقِ قوم — ہم المصابیح والحصون

ہائے افسوس اُن لوگون کے فراق مین جو چراغ (ہدایت) اور قلعہ (حملہ شیطان سے بچنے کے) تھے۔

ع۵ عوارف المعارف۔

والمدن والمزن والرواسی — والخیر والامن والسکون

اور شہر تھے۔ اور ابر تھے۔ اور پہاڑ تھے — اور نیکی تھے اور امن تھے اور سکون تھے

لم تتغیر لنا اللیالی — حتے توفتہم المنون

ہمارے حق مین راتون (زمانے) مین انقلاب نہین ہوا۔ یہان تک کہ موت نے اُن کی زندگی ختم کر دی۔

فکل جمر لنا قلوب — وکل ماء لنا عیون

تو سب چنگاریان گویا ہمارے دل ہین۔ اور سارے چشمے گویا ہماری آنکھین ہین۔

یہ اشعار ختم کرتے ہی وہ ایک طرف بھاگا چلا گیا۔ اور اُس کے بعد کبھی اُس کی صورت نہ دکھائی دی۔[ع۶]

اب آپ کی زندگی کی سرگزشت ختم ہو چکی تو ہمین یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ جنید بغدادی نے کن کن زمانون اور کیسے کیسے انقلابون کو اپنی عبرت بین آنکھون سے ملاحظہ فرمایا۔ ہم ثابت کر آئے ہین کہ آپ مامون رشید کے آخر عہد مین پیدا ہوے تھے جس نے ۲۱۸ھ مین دنیا کو رخصت کیا تھا۔ اور ۲۹۸ھ مین رہگرائے عالم جاودان ہوئے۔ جبکہ المقتدر باللہ کو سریر خلافت پر بیٹھے تین برس ہو چکے تھے۔ اس حساب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بارہ عباسی خلیفون کا زمانہ پایا۔ مامون کے مبارک عہد کو آپ کی بچپن کی آنکھین نہ بھی دیکھ سکی ہون تو آپ نے المعتصم کا زمانہ ضرور دیکھا ہو گا۔ کیونکہ اول سے آخر تک آپ کی زندگی دار الخلافہ بغداد ہی مین گزری۔ اور المعتصم کے مرنے کے وقت یعنی ۲۲۷ھ مین آپ کی عمر یقیناً گیارہ برس کی ہو گی۔ اس کے بعد آپ نے الواثق المتوکل۔ المنتصر۔ المستعین المعتز۔ المہتدی۔ المعتضد۔ المکتفی اور المقتدر کے زمانون کو یکے بعد دیگرے دیکھا ان مین سے بعض اپنی موت سے مرے۔ بعض ذلت کے ساتھ تخت و تاج سے جدا کیے گئے

ع۶ طبقات الکبری۔

اور بعض تختِ خلافت پر مارے گئے۔ ان انقلابات سے آپ کو ناپائداری عالم کے کیسے کیسے سبق ملے ہون گے! اور کیسے کیسے ہنگامون نے آپ کے دل مین دنیاے دنی کی بے وقعتی ثابت کی ہوگی۔[1]

آپ کا سنہ وفات بھی عجب قیامت خیز سال تھا۔ اس لیے کہ دنیا آپ ہی کی ذاتِ مستجمع الصفات سے محروم نہین ہوئی بلکہ اسی سال شیخ ابو عثمان حیری نے بھی انتقال کیا جو خراسان کے ولی کامل اور نیشاپور کی خانقاہ کے شیخ تھے۔[2] اسلامی تصوف کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اُن دنون علومِ باطن کی دو عظیم الشان درس گاہین یا اہلِ ریاضت کی اصطلاح مین کہیے کہ مشائخ روحانیکی خانقاہین تھین، ایک بغداد مین جس کے امام اور سید الطائفہ جنید بغدادی تھے۔ اور دوسری نیشاپور مین جس کے سجادہ نشین شیخ ابو عثمان حیری تھے۔ اور دونون اپنے انوارِ فیض سے مشرق و مغرب کو نورِ عرفان سے منور کر رہے تھے۔ ایسے دونون مشائخ باطن کا ایک ہی سال مین دنیا سے اُٹھ جانا سچ پوچھیے تو کوئی معمولی مصیبت نہ تھی۔

آپ کے فیض کے اُٹھ جانے اور دینِ محمدی کو آپ کے نہ ہونے سے صدمہ پہونچنے کا اس سے زیادہ نمایان کیا نمونہ ہوگا کہ اسی سال خاص بغداد مین محمد بن بشیر نام ایک شخص ظاہر ہوا۔ جس نے دعویٰ کیا کہ مین ہی خدا ہون۔ بہت سے آدمی اُس کے فریب مین آکے معتقد بھی ہوگئے۔ مگر خلافت کیطرف سے فوراً اس بے دینی کا سدباب کیا گیا! اور وہ مع اپنے مریدون کے گرفتار کر لیا گیا۔ پھر خدا نے موتِ جنید کی روحانی مصیبت کو ایک نمایان اور مادی آفت کی شان سے یون دکھایا کہ بغداد سے تھوڑی ہی دور پر شہر موصل مین ایک ایسی سرخ رنگ کی گرم اور جھلسا دینے والی بادِ سموم چلی کہ بہت سے آدمی اُس مین جل کے اور جھلس کے مر گئے۔[3]

ابو محمد حریری چونکہ آپ سے خاص ولی اور روحی لگاؤ رکھتے تھے اور آپ کی جگہ سجادہ نشین

عہ[1] ماخوذ از ابن اثیر۔ عہ[2] مرأۃ الجنان۔ عہ[3] ابن اثیر۔

ہوئے تھے۔ اس لیے انھین نے آپ کی وفات کے چند روز بعد آپ کو خواب مین دیکھا۔ پوچھا۔ "ابوالقاسم کیا حال ہے؟" اُنھون نے جواب دیا "وہ سب اشارے فنا ہوگئے۔ اور ساری عبادتین مٹ گئین اور ہمین صرف اس سے نفع پہونچا کہ صبح کو سبحان اللہ کا وظیفہ رکھتے تھے۔"[1]

معرفین کمال

آپ کے اعلیٰ کمال کا اعتراف ہمیشہ اور ہر زمانے مین کیا گیا! اور چونکہ مسائلِ مختلفہ مین جھگڑنے اور رد و قدح کرنے سے آپ یا آپ کے پیروون کو بہت کم علاقہ تھا اس لیے سوا خاص لوگون کے کسی گروہ یا فریق کو آپ پر اور عموماً جماعتِ صوفیہ پر حملہ کرنیکا شوق نہین ہوا۔ بلکہ مخالفین بھی ایک وقتی جوشِ عداوت کے بعد خاموش ہوگئے۔ اس کے مقابل معتقدین اور معرفین کمال کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی رہی۔

عام قاعدہ ہے کہ ہمصحبتون اور معاصرون مین وہ جوشِ عقیدت نہین ہوا کرتا جو بعد والون مین ہوتا ہے۔ مگر آپ کے معاصرین بھی آپ کے کمال کے اس قدر معترف تھے کہ بعض اوقات اُن کے کمالِ عقیدت کا حال سُن کے حیرت معلوم ہوتی ہے۔ رُویم کا ذکر آچکا ہے جو آپ کے معاصر شیوخِ باطن مین تھے آپ کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ سریر آرائے خلافت یعنی خلیفۂ بغداد نے کسی بات پر اُنھین "بے ادب" کہہ دیا تھا۔ اُنھون نے کہا "مین ایک دن برابر دوپہر تک جنید کے پاس بیٹھا رہا ہون اور جسے نصف یوم جنید کی صحبت نصیب ہو وہ بے ادب نہین ہو سکتا۔"[2]

شیخ نیشاپور و مقتدائے خراسان ابو عثمان حیری جو آپ کے مقابل اربابِ باطن مین تھے

عہ[1] رسالہ قشیریہ۔ عہ[2] نفحات الانس۔

اور اُسی سال رہگرائے عالم جاودان ہوئے جس سال کہ آپ کا وصال ہوا کہا کرتے "لوگون مین اس بات کی شہرت ہے کہ ساری دنیا کین صرف تین شخص ہین۔ چوتھا نہین ابو عثمان (یعنی خود مین) نیشاپور مین جنید بغداد مین۔ اور ابو عبداللہ بن جلاء شام مین[ع۲]"

موّمل حصاص شیرازی کا قول ہے کہ "حکمت جنید کو دی گئی شاہ کرمانی کو عالم وجد دیا گیا۔ ابو حفص کو اخلاق عطا ہوا۔ اور ابو یزید بسطامی منزلت حیرت سے شرفیاب ہوئے"

ابو حفص حدّاد جو اعلیٰ ترین صاحب اخلاق مشائخ مین بتائے گئے ہین۔ اور جنید کے اُستاد تھے وہ بھی آپ کے کمال کے اس قدر معرف ہو گئے تھے کہ کہا کرتے "عقل اگر شخص ہوتی تو جنید کی صورت مین نمایان ہوتی"

ابو سعید خزّار کہا کرتے تھے "مین نے دو ہی صوفی دیکھے۔ ایک جنید اور دوسرے ابن عطار[ع۵]"

ان تمام امور سے ہمارے ناظرین پہلے ہی واقف ہو چکے ہین کہ ابو العباس بن شریح فقیہ شافعیہ آپ کا بیان سن کر بے اختیار بول اُٹھے کہ "یہ شوکت جھوٹ بولنے والے کے کلام مین نہین ہو سکتی"
اور پھر جنید کے بعد اپنی خوش بیانی پر کبھی نازان ہوتے تو کہا کرتے کہ "یہ صرف جنید کی صحبت کا فیض ہے"۔ یا عبداللہ بن سعید کلاب اعتراض کرنے اور عیب جینی کے لیے جنید کی صحبت مین آئے۔ اور حلقہ بگوش ارادت ہو کے واپس گئے۔ یا ابو الحسن بن علی سوحی باوجودیکہ جنید کے استادون مین شمار کیے جاتے تھے "اُنس" کے بیان مین اُن کی دلکش تقریر سن کر چلا اُٹھے کہ آسمان کے نیچے جتنے ہین سب مر جائین تو بھی یہ پر اثر تقریر سن لینے کے بعد مجھے وحشت نہ ہوگی"
یا رُدیم باوجودیکہ دوست اور پیر بھائی تھے مگر فخریہ طور پر اپنے آپ کو جنید کا شاگرد بتایا کرتے۔
انھین فیوض اور بڑے بڑے صاحب کمال بزرگون کی عقیدت نے بعد والون کو آپ کے

ع۵ رسالہ قشیریہ۔ ع۵ نفحات الانس۔ ع۵ طبقات الکبری۔

کمالات کا اور زیادہ معرف بنا دیا۔ ابو عبداللہ محمد بن حنیف ضبی جو علوم ظاہری و باطنی مین اُستاد کامل تھے اور ۳۷۱ھ مین دنیا سے رخصت ہوئے اپنے مریدون کو حکم دیا کرتے تھے کہ "ہمارے شیوخ سابقہ مین سے پانچ بزرگ ایسے ہین جن کی تم ہر امر مین اقتدا کیا کرو۔ حارث ابن اسد محاسبی جنید بن محمد بغدادی۔ ابو محمد رُدیم۔ ابو العباس بن عطار۔ اور عمرو بن عثمان مکی اس لیے کہ یہ سب بزرگ علم ظاہر و باطن کے جامع تھے"

ایک دن کا ذکر ہے کہ یہی عبداللہ بن حنیف اور علی بن بندار صوفی شیراز کی گلیون مین گزر رہے تھے کچھ دور تک تو دونون برابر برابر گئے لیکن ایک مقام پر جگہ تنگ تھی۔ اور ضرورت ہوئی کہ آگے پیچھے ہو جائین عبداللہ نے علی بن بندار سے کہا "آپ آگے چلیے"! اُنھون نے کہا "وجہ؟ آخر مجھ مین کون سی فوقیت ہے کہ آپ سے آگے چلون"؟ عبداللہ نے جواب دیا "اس سے بڑی کیا فوقیت ہو سکتی ہے کہ تمھاری آنکھون کو جنید بغدادی کی زیارت نصیب ہوئی ہے؟"[ع۵]

یہ تو معاصرین اور بعد کے قریب العہد بزرگون کا اعتراف کمال تھا۔ لیکن بعد کے زمانون مین جو شہرت و ناموری حضرت جنید بغدادی اور اُن کے شاگرد رشید شبلی کو حاصل ہوئی دنیا کے کسی صوفی کو نہین نصیب ہے۔ آپ کا نام زہد و اتقا کے لیے ضرب المثل اور شرقی شریعت کا عنصر بن گیا۔ ہمارے شعرا کو آپ کا نام مستحضر ہے۔ ہمارا بچہ بچہ آپ کے نام کو ادب و تعظیم سے زبان پر لاتا ہے۔ اور ہمارے اولیا و اتقیا تو آپ کے نقش قدم پر چلنے کو ذریعۂ معرفت یاد کرتے ہین۔



اب خاتمے پر ہم آپ کی چند نصیحتین اور آپ کے کچھ کلمات حکمت نقل کرتے ہین ممکن تھا کہ فقرے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہین۔ اور جنھین مغربی اصطلاح سے کام لیا جائے تو "سنہری کلمے"

ع۵ رسالہ قشیریہ۔ ع۵ عوارف المعارف

کہنا چاہیے آپ کی تعلیمات کے ضمن مین شامل کر دیے جاتے۔ مگر ہم نے انھین اس لیے جدا کر دیا کہ یہ وہ باتین ہین جن کو تصوف کے ساتھ زیادہ تخصیص نہین۔ بلکہ اِن پر ہر شخص عام اس سے کہ کسی ملک و ملت کا ہو۔ اور کسی خیال کا ہو۔ صدق دل سے عمل کر سکتا ہے۔ فرماتے ہین :-

(۱) وہ جس کے لیے کوئی شبیہ و نظیر نہین بھلا اُسے کیونکر لِل سکتا ہے جس کے لیے شبیہ و نظیر ہے؟

(۲) سب صحبتون سے اچھی اُن لوگون کی صحبت ہے جو توحید کے میدان مین غور کرتے رہتے ہین۔

(۳) توکّل دل کا کام ہے اور توحید دل کا کلام۔

(۴) جو علم نہ بدلے نہ پلٹے نہ متغیر ہو اُس کا یقین دل مین قائم ہو جاتا ہے۔

(۵) اختیار کے اُٹھا دینے کا نام رضا ہے۔

(۶) راست باز کی حالت دن مین چالیس بار بدلتی ہے۔ اور ریاکار چالیس برس تک ایک ہی حالت پر قائم رہتا ہے۔

(۷) حقیقی سچائی یہ ہے کہ تو اُن موقعون پر سچ بولے جہان بغیر جھوٹ کے مفرنہ نظر آتا ہو۔

(۸) فتوت و چشم پوشی یہ ہے کہ تو فقیر سے وحشت نہ کرے۔ اور غنی کا معارض نہ ہو۔

(۹) فتوت یہ ہے کہ تو اذیت پہونچانے سے باز رہے اور فیاضی کو جاری کرے۔

(۱۰) فتوت شام مین ہے۔ زبان عراق مین ہے۔ اور سچائی خراسان مین ہے۔

(۱۱) جب محبت سچی ثابت ہو جائے تو پھر شرائط ادب ساقط ہو جاتے ہین۔

(۱۲) محبت زیادتی میلان کا نام ہے جو بغیر نیل مرام کے ہو۔

(۱۳) ہر محبت جو کسی غرض کے لیے ہوتی ہے اُس غرض کے حاصل ہوتے ہی جاتی رہتی ہے

(۱۴) اصلی محبت یہ ہے کہ محبت کرنے والے کے صفات کی جگہ محبوب کے صفات قائم ہو جائین۔

(۱۵) بندگی تمام اشغال کے چھوڑ دینے اور اُس شغل مین مصروف ہو جانے کا نام ہے جو اصل فراغت ہے۔ [ع۵]

(۱۶) گزری بات کیطرف توجہ کرنا آنے والی حالت سے غافل ہو جاتا ہے۔

(۱۷) پابندیِ ادب بندگی۔ اور بے ادبی سرکشی ہے۔

(۱۸) دو زبانون سے نعمتون کے اعتراف کرنے کا نام شکر ہے۔

(۱۹) رجاء (امید) اس بات کی دستاویز ہے کہ فیاض فیاضی کرے گا۔ [ع۵]

(۲۰) ذی علم لوگون کی آفتین اور آفتون سے بڑھی ہوئی ہین۔

(۲۱) علم کی ایک قیمت ہے جبتک وہ قیمت نہ لے لو کسی کو نہ دو۔ اور وہ قیمت یہ ہے کہ اُسی شخص کو دو جو عمدگی سے اُس کا حامل ہو سکے اور اُسے ضائع نہ کرے۔ [س۵]

خاتمہ

یہ تھے جنید بغداد علیہ الرحمۃ جو گزر گئے۔ اور افسوس کہ اُن کا ذکر بھی ختم ہو گیا۔ اب سوا اِس کے کیا باقی ہے کہ خدا ہمین اُن کے نقش قدم پر چلنے اور اُن کے حکم اور نصائح سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔ ہم آج کل سمجھدار اور عاقبت اندیش

ع۵ رسالہ قشیریہ - ص۵ عوارف المعارف - س۵ طبقات الکبریٰ-

لوگوں کو کہتے سنتے ہیں کہ صرف گزشتہ بزرگوں اور ناموران قوم پر فخر و ناز کرنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہمیں اپنی عظمت و حرمت قائم رکھنا ہے تو خود کرکے دکھانا چاہیے۔ اور واقعی یہ صحیح ہے۔ لائق باپ کے نالائق بیٹے کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں پھر عالی مرتبہ مرشد و شیخ کے نالائق و ناکارہ محض ارادت کیش کی کوئی کیا عزت کرے گا؟ ہم اُن بزرگوں پر ناز کرنے کے مستحق جب ہی ہو سکتے ہیں۔ جب اپنے آپ کو اُن کے اقوال و افعال کا نمونہ بنائیں۔ اور ویسے ہی بن جائیں جیسے کہ وہ تھے۔

ع ۔ میراث پدر خواہی علم پدر آموز۔

لہٰذا اپنے قدر دان ناظرین سے رخصت ہوتے وقت ہماری آخری دعا اور سچی آرزو و تمنا یہ ہے کہ ”خداوندا وہ اگلے جنید جو گزر گئے اُن کو اپنے جوار رحمت میں لے۔ اور اُن کے عوض اپنے فضل و کرم سے ہم میں کوئی زندہ جنید پیدا کر۔ آمین“

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانحعمریان

(۱) جنید بغدادی ۔ حضرت جنید کے حالات ۔ عہ/

(۲) ابوبکر شبلی ۔ حضرت شبلی کے حالات ۔ عہ/

(۳) تاریخ سندھ ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ عہ/

(۴) خواجہ معین الدین ۔ حضرت خواجہ اجمیری کے حالات ۔ ۶/

(۵) سکینہ بنت حسین ۔ جناب سکینہ بنت امام حسین ۔ ۶/

(۶) افسانۂ قیس ۔ مجنون عامری کے حالات ۔ ۲/

(۷) حسن بن صباح ۔ بانی فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ ۶/

(۸) قرۃ العین ۔ ایک مجتہدزادی کے حالات ۔ ۲/

(۹) شیرین ملکۂ عجم ۔ فرہاد و خسرو کی نامور معشوقہ ۳/

(۱۰) ملکہ زنوبیہ ۔ سلف کی ایک عربی نژاد ملکہ ۳/

(۱۱) صقلیہ میں اسلام ۔ ایک محققانہ تاریخ ۱۲/

ناول

(۱۲) جویائے حق ۔ حضرت رسول اکرم کی سوانحعمری بطور ناول عہ/ حصہ دوم ۱۲/

(۱۳) بابک خرمی ۔ سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی واقعہ ہر دو حصہ عہ/

(۱۴) مفتوح فاتح ۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول عہ/

(۱۵) الفانسو ۔ ایک عاشقانہ تاریخی واقعہ ۱۲/

(۱۶) خوفناک محبت ۔ ہندوستانی شریف زادیوں کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی عہ/

(۱۷) طاہرہ ۔ مولانا کا سب سے پچھلا اور تازہ ناول عہ/

(۱۸) حسن کا ڈاکو ۔ حرام پور کے نواب کی سرگزشت ہر دو حصہ عہ/

(۱۹) اسرار دربار حرام پور ۔ حرام پور کے نواب کی رہی سہی اور باقی حالات ہر دو حصہ ۱۰/

(۲۰) غیب دان دلہن ۔ حیرت انگیز غیب دانی ۔ عہ/

(۲۱) فرقۂ الکبری ۔ یوم برگاتھ لوگوں کا حملہ عہ/

(۲۲) ماہ ملک ۔ غوریوں کا عروج اور فتوحات ۵/

(۲۳) لعبت چین ۔ پہلی صدی ہجری کا دلچسپ تاریخی ناول عہ/

(۲۴) ایام عرب ۔ جاہلیت عرب کی مکمل تصویر ہر دو جلد ۶/

(۲۵) مقدس نازنین ۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا عہ/

(۲۶) شوقین ملکہ ۔ دوسری صلیبی لڑائی عہ/

(۲۷) قیس و لبنیٰ ۔ عہد صحابہ کا ایک سچا عشق عہ/

(۲۸) فلورا فلورنڈا ۔ اندلس میں سلطنت عرب عہ/

(۲۹) آغا صادق کی شادی ۔ ایک دلچسپ قصہ ۱۰/

(۳۰) فردوس بریں ۔ جیتے جی جنت کی سیر عہ/

(۳۱) یوسف نجمہ کامل ۔ جگ بیتی نہیں آپ بیتی عہ/

متفرقات

(۳۲) الحکم الرفاعیہ ۔ معرفت بن سید احمد رفاعی کی ایک رسالہ کا ترجمہ ۳/

(۳۳) سفرنامہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۴/

(۳۴) سید کی دینی برکتیں ۔ ۲/

(۳۵) ہندوستان کی موسیقی پر فنا ممدوح کا لکچر ۴/

(۳۶) اردو سے ہندوؤں کا تعلق ۴/

(۳۷) زمانہ اور اسلام ۔ مولانا شرر کی مشہور نظم ۳/

(۳۸) شب غم و شب وصل ہر دو جلد ۲/

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۳۹) مسلمان تاجداران ہند ۔ ہر سہ حصہ عہ/

(۴۰) پاداش عمل ۔ ایک نہایت دلچسپ ناول موسومہ "کنتھ" کا ترجمہ حصۂ اول عہ/ دوم عہ/ سوم عہ/ چہارم عہ/ پنجم عہ/

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد سنہ ۱۹۰۰ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۰۵ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۰۶ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۰۷ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۰ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۲ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۴ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۵ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۶ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۷ء عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۹ء عہ/
جلد سنہ ۲۰-۱۹۲۱ء و ۱۹۲۲ء مکمل عہ/

دلگداز کی نامکمل جلدیں

جلد سنہ ۱۹۰۱ء ۱۰/ ، جلد سنہ ۱۹۱۱ء ۱۵/ ، جلد سنہ ۱۹۱۱ء عہ/ ، جلد سنہ ۱۹۱۳ء عہ/

منتخب مضامین دلگداز سنہ ۱۸۸۷ء ۱۰/